بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دشتِ تشنگی

دشتِ تشنگی

حبیب الرحمن

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطہ

اشاعت	:	2025
ناشر	:	ماورا پبلشرز، لاہور
کمپوزنگ	:	طارق محمود (0334-9890211)
قیمت	:	-/1800 روپے USD 30

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ

MAVRA PUBLISHERS
60-The Mall, Lahore.

خالد شریف
Mob: 0300-4020955
e-mail: mavrabooks@yahoo.com

انتساب

میری پیاری بیوی شازیہ رحمن کے نام

جس کا میری شاعری سے وہی تعلق ہے

جو دو سوکنوں کا آپس میں ہوتا ہے

ترتیب

غزلیں

☆☆☆

پیش لفظ

زندگی کا حسن اور زینت اس کے تغیرات و تضادات اور رنگینیٔ تخلیق سے ہے۔
تغیراتِ زندگی دیکھیے تو کہیں شادی ہے اور کہیں غم۔ کہیں وصل ہے تو کہیں فراق۔ اقرار ہے تو انکار بھی ہے اور ابتدا ہے تو انتہا بھی ہے۔ جوانی کے ساتھ پیری ہے تو ایمان کے ساتھ کفر۔ خندۂ گل ہے تو نالۂ بلبل بھی ہے، حقیقت کے ساتھ مجاز بھی ہے اور حرکت کے ساتھ سکون بھی۔ گل ہیں تو خار بھی ہیں حزن ہے تو طرب بھی ہے۔ نشیب و فراز، ہستی و نیستی، راحت و رنج کے تضادات نہ ہوتے تو زندگی بہت بے مزا ہو جاتی۔

بقول غالبؔ

نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

دوسری طرف رنگینیٔ تخلیق پر غور کیجیے تو صبح کی تراوت، گرمیِ آفتاب، چاند کی چاندنی، شفق کی سرخی، قوس قزح کے رنگ، صندل کی خوشبو، پھولوں کی بہار، شبنم کے موتی، دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی حشمت، آبشاروں کا گرنا، گھٹاؤں کا چڑھنا، پرندوں کی چہچہانا، تتلیوں کی آنکھ مچولی، جگنوؤں کا جگمگانا، بارش کا شور، سمندر کی خاموشی، مٹی کی سوندھی خوشبو، زبان کی چاشنی، شعر کی نغمگی، حسن کی آرائش، عشق کی دیوانگی، روشنی کا سفر، تاریکی کی اداسی سب زندگی کو ایک نیا حسن دیتی ہیں۔

شاعری ان تضادات اور انواع و اقسام کی تخلیق کے ذریعے پیدا ہونے والے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کرتی ہے اور زندگی کے حسن کو نہ صرف اجاگر کرتی ہے بلکہ اس میں اضافہ کرتی ہے۔
ان ہی تضادات و تغیراتِ زندگی اور شوخیِ تخلیق کی لطافت کو اجاگر کرنے کا قصد کیا ہے۔ امید ہے یہ کاوش پسند آئے گی۔

حبیب الرحمن
ریجائنہ (کینیڈا)

☆☆☆

○

آغوشِ صدف فرض ہے بننا ہے گہر تو
طوفان شکن بن جا کہ ہونا ہے شجر تو

کچھ دیر پئے بھول گیا دل بھی دھڑکنا
مجھ پر جو پڑی ایک ہی دُزدیدہ نظر تو

منّت بھی سماجت بھی خوشامد بھی و لیکن
ہوتا ہی نہیں اُس پہ مگر کچھ بھی اثر تو

بس کہہ دو کہ اب وقت نہیں چارہ گری کا
ناسور ہوا کب سے مرا زخمِ جگر تو

کب پہلے سنی اُس نے کہ وہ آج سنے گا
کیا روکنا جب باندھ لیا رختِ سفر تو

اِس راہ ندیدہ سے نہ پوچھو رہِ منزل
جاتی ہوگی گھر اُس کے کوئی راہگزر تو

طولانیٔ ہنگامِ جوانی کو کبھی بھی
دعویٰ نہیں تھا ہمسریٔ رقصِ شرر تو

سالکؔ شبِ ہجراں کی طوالت کا گزیدہ
پر دیکھ افق پر ہے سپیدۂ سحر تو

○

آ گیا یاد ترا حسن پہ نازاں ہونا
سامنے بیٹھ کے آئینہ کے حیراں ہونا

لذتِ ریشِ جگر کے متمنی کو اک
وجہ تسکین ہے زخموں کا نمکداں ہونا

ایک آوارہ وطن جائے گا واپس تب ہی
دیکھنا چاہے اگر خون کا ارزاں ہونا

اک قسم کھائی ہے ہر بات میں کج بحثی کی
وہ ہر اک بات پہ ہی دست بداماں ہونا

جانتا کون نہیں حیرتِ جلوہ ہے اک
کاکلِ مشکیں کا شانوں پہ پریشاں ہونا

یاد کرتے ہیں اسے کہہ کے ستمگر پھر بھی
حاصلِ زیست ہے وابستۂ داماں ہونا

عالمِ جاں کنی کیوں کاہشِ جاں ہو سالکؔ
بھا گیا مرگِ مفاجات کا آساں ہونا

○

آج گنہگار ایک پُتلا خطا کا
مانگ رہا ہے معافی بندہ خدا کا

میں تو سمجھتا رہا شباب کو دائم
آ کے چلا بھی گیا وہ جھونکا ہوا کا

پیٹ کا انگارہ آج بھی نہ بجھے گا
کب سے ہی پھیلا ہوا ہے کاسہ گدا کا

سب کے مقدّر میں تو خوشی نہیں ہوتی
ہاتھ پہ میرے چڑھا نہ رنگ حنا کا

مجھ کو ہے اُمیدِ وصلِ یار ابھی بھی
ہوگا کبھی تو اثر بھی میری دعا کا

کوئی مسیحا ہوا نہ چارہ گری کو
فائدہ کچھ بھی ہوا نہ مجھ کو دوا کا

نالۂ سالکؔ کا بھی ہوا وہی انجام
حال بیاباں میں ہوا جو صدا کا

○

آج ہی کھلا مجھ پر خامشی میں تھا انکار
آ گئی سمجھ جب تو زیست سے ہوا بیزار

جان دی اگر ہم نے اس قدر اچھنبا کیا
عشق کا تقاضا ہے کچھ نہیں بجز ایثار

اک نگاہِ قاتل ہی مارنے کو کافی تھی
پھر وہ کیوں چلے آئے ہاتھ میں لیے تلوار

بس خدا خدا کرکے طے ہوا سفر آخر
پاؤں میں مرے چھالے راہِ زیست تھی پُرخار

شام اک سہانی تھی اک بھری جوانی تھی
تھم گئی وہیں دنیا نین جب ہوئے دوچار

اس نگر کو جاتے ہو پر خیال یہ رکھنا
ہر جگہ بچھا ہے واں دامِ کاکلِ خمدار

آئینے کے آگے تم بیٹھ کر ذرا دیکھو
جان لو گے تب تم بھی کیا ہے لذّتِ دیدار

ہے نہ رنگِ محفل اب ہے نہ بزمِ عیشِ دوست
اب گزر گئے وہ دن سب کہاں گئے میخوار

ظلمتِ شبِ فرقت ختم ہوگی جانے کب
دور تک مگر سالکؔ صبح کے نہیں آثار

○

آج تیرے شہر میں لوگ کیوں اداس ہیں
چاند میں چمک نہیں پیڑ بے لباس ہیں

کب کے جا چکے مگر مجھ کو تو لگے یہی
آج بھی یہیں کہیں میرے آس پاس ہیں

کس کے آنے کی خبر ہے چمن میں آج پھر
کیوں یہ نرگس و سمن اتنے بے حواس ہیں

ہم سے پوچھتے ہیں وہ بزم سے اُٹھے تھے کیوں
کیا انہیں بتائیں اب ہم اداشناس ہیں

کال اس قدر پڑا ڈھونڈیے کہاں انہیں
اس جہانِ عام میں جو وفاشناس ہیں

دل کو دے رہا ہوں میں آس وصل کی مگر
جانتا ہوں یہ گمان دور از قیاس ہیں

زندگی پہ اعتبار کیوں کریں یہ دیکھ کر
جو چہک رہے تھے کل آج محوِ یاس ہیں

○

آماجگاہِ حسرت و ارمان ٹھہرا دل مرا
لاکھوں جتن کے بعد بھی بس تھا یہی حاصل مرا

دیکھا بریدہ سر نے جو نظریں گھما کر اردگرد
جو تھا پرانا آشنا نکلا وہی قاتل مرا

حکمِ خداوندی فرشتوں کو بحقِ انس ہے
دھتکارنا مت تم اسے بنتا ہے جو سائل مرا

ہوں عالمِ آوارگی میں مدتوں سے دوستو
لیکن ابھی تک دیکھتا ہے راستہ ساحل مرا

لغزش ہوئی آنکھوں سے تو دل کو ہوئی تعزیر کیوں
دیکھا نہ ہوتا آنکھ نے ہوتا نہ دل گھائل مرا

اب دشتِ الفت میں مجھے جانے کی ہمت ہی نہیں
ناز و ادائے عشق کے اب دل نہیں قابل مرا

ہے آبلہ پائی حریصِ لذّتِ آزار تو
کیوں ہو رہِ پُرخار میں رکھنا قدم مشکل مرا

مشکل نہ تھا جینا مرا اس عالمِ محسوس میں
اطراف سے اپنے رہا جب تک جنوں غافل مرا

○

آپ کی بزم میں سب بڑے ہیں
سب کی خلعت پہ تارے جڑے ہیں

جب اُٹھے گی نظر اِس طرف تو
دیکھنا ہاتھ باندھے کھڑے ہیں

مطمئن سے نظر آ رہے ہیں
غالباً پھر وہ خود سے لڑے ہیں

سر جھکا کر نہ دیکھا کبھی بھی
راہ میں مدتوں سے پڑے ہیں

آپ گر قصر میں رہتے ہیں تو
ہم غریبوں کے بھی جھونپڑے ہیں

ہو گئی زخم بھرنے کی امید
پھر سے پیڑوں کے پتے جھڑے ہیں

خارِ لب تشنہ کو ان کی ہے آس
جن کے پاؤں میں چھالے پڑے ہیں

○

آپ کو اس بات پر حیرانگی کیوں اس قدر
دوستوں کے شہر میں بیگانگی کیوں اس قدر

دیکھیے تو سادگی محبوب کی میرے ذرا
پوچھتے مجنوں سے ہیں آشفتگی کیوں اس قدر

کیا بتاؤں اب اسے جس کو نہ ہو ادراک ہی
پوچھتا ہے دشت بھی یہ تشنگی کیوں اس قدر

تم شبِ مہتاب میں نکلے تھے باہر بے نقاب
یہ بتاؤ چاند سے بے پردگی کیوں اس قدر

آپ تو کہتے تھے مجھ سے اب کوئی ناطہ نہیں
پھر مرے جانے پہ یہ افسردگی کیوں اس قدر

چھا گئیں تاریکیاں دل پر مرے سالکؔ کہ اب
پوچھتی ہے رات بھی یہ تیرگی کیوں اس قدر

○

آتا ہے یاد مجھ کو دکھتا ہے دل مرا جب
اک درد دے گیا وہ مجھ سے ہوا جدا جب

کیسے ہو گفتگو پھر اے روٹھ جانے والو
آتی نہیں ہے آواز دیتا ہوں میں صدا جب

اوجھل ہوئی نظر سے اب گردِ کارواں بھی
ملتا نہیں ہیں ڈھونڈیں تحریرِ نقشِ پا جب

آئیں گے اب نہیں وہ ہے انتظار بیکار
آنکھوں کو موندتے ہیں ہو جائے گُل دیا جب

ہے حفظِ ما تقدّم کیا عشق کا بتاتے
مجھ کو ہوا تھا لاحق یہ مرضِ لادوا جب

خوش ہوں نہیں اٹھایا احساں دوا کا میں نے
زخموں کو میں نے پایا ناقابلِ شفا جب

دشوار ہو گیا ہے جینا یہاں عزیزو
کیسے جیے کوئی پر جینے سے ہو خفا جب

پہلے نگاہِ جادو پھر ایک تیرِ غمزہ
ہلکا سا مسکرائے لہرا کے میں گرا جب

آتے نہیں جو خواب میں ترساتے ہو مجھے
امید کی صلیب پہ لٹکاتے ہو مجھے

فرقت کے روز ایک قیامت گزر گئی
اب حشر کے وصال سے بہلاتے ہو مجھے

تم بھولتے نہیں ہو کروں سعی بھی اگر
ہے دن نہیں کوئی کہ نہ یاد آتے ہو مجھے

زخمی کیا ہے عشق نے ہی بارہا مجھے
پھر بھی جنونِ عشق پہ اُکساتے ہو مجھے

کرتا ہوں گفتگو میں خیالوں میں روز ہی
اپنے ہی بس خیال میں الجھاتے ہو مجھے

ڈرتا ہوں دل کی بات ہویدا نہ ہو کہیں
جب کچھ کہے بغیر ہی پا جاتے ہو مجھے

چارہ ہے میرے درد کا معدومی ہی فقط
پھر کیوں فنا کی راہ سے بھٹکاتے ہو مجھے

○

آتے نہیں خواب میں بھی اب وہ
مانیں گے مصاحبت کو کب وہ

بے فصل کی بادِ خنک تھی یا
مظلوم کی آہِ نیم شب وہ

ہوتا ہے کباب جل کے یہ دل
دشمن کو سراہتے ہیں جب وہ

ہوں چشمِ براہ پھر کریں گے
آراستہ محفلِ طرب وہ

در پر ہی رہی نگاہ اس کی
جب رات پڑا تھا جاں بلب وہ

اقرارِ وفا ہوا بھی تو کیا
کہتے ہیں کچھ اور زیرِ لب وہ

سالکؔ کے گزرنے کی تھی افواہ
رسوا ہو گئے بلاسبب وہ

○

ایک بزمِ طرب جماتے ہم
پارساؤں کو بھی پلاتے ہم

آپ نے کاش دل دیا ہوتا
اور پھر آپ کو ستاتے ہم

وصلِ محبوب گر ہو جاتا تو
داستاں پیار کی لکھاتے ہم

خوش ہو کر آپ کے سواگت میں
اپنے گھر کو کبھی سجاتے ہم

بس اسے سامنے بٹھا کر پھر
اپنے سپنے کبھی سناتے ہم

اپنا عاشق بنا کے کرتے جفا
آپ کو رات دن رلاتے ہم

ہم کو ملتا اگر کوئی موقع
زخم دے کر نمک لگاتے ہم

اشک ہوتے نہیں اگر سالک
تو غموں کو کہاں بہاتے ہم

○

آتشِ خاموش میں جلتا رہا میں عمر بھر
یار میرا حالِ دل سے اب تلک ہے بیخبر

پھٹ نہ جاتا یہ دلِ خستہ اگر ہوتی نہیں
اک رہِ اخراجِ لاوائے الم یہ چشمِ تر

جو غریبوں کے لہو سے کل بنایا ظالمو
حشر کو ہو گا تمہارے دوش پر وہ سیم و زر

تو نے بھیجا زندگی دے کر جہاں میں اے خدا
زیست کو پر ڈھونڈتا پھرتا رہا میں دربدر

جانتا ہوں وہ نہیں دیتے مرے خط کا جواب
دل اچھلتا ہے مگر جو دیکھتا ہوں نامہ بر

آج پہلی بار دیکھا من ہرن وہ تو کہا
چاہتا ہوں خط لکھوں پاتا نہیں پر آبِ زر

خوش ہوا ہوگا خبر سن کر مرے مرنے کی وہ
یا ہوا ہوگا وہ آنچل آنسوؤں سے تر بہ تر

آزادگی ملتی مجھے بھی چرخِ کینہ سوز سے
تفہیم پائی ہوتی گر اس نے وفا آموز سے

اُن کو نہیں معلوم کہتے ہیں وفا کس چیز کو
لغزش ہوئی امید رکھی حسن عالم سوز سے

کام آئی الفت، قلتِ غم سے مرا جاتا تھا جب
پھر سے ہوئی جینے کی خواہش قلبِ غم اندوز سے

جلتی رہی اک درد سے فرقت کی شب وہ رات بھر
ہم نے بھی بانٹے زخم دل کے شمع شب افروز سے

لغزش ہوئی اپنے ہی من سے دیں کسی کو دوش کیوں
اِس کو ہوا جو عشق تو اک کافرِ جاں سوز سے

لگتا ہے فہمِ عشق سے، پڑھتا رہا ہے وہ کہیں
پندِ محبت مکتبِ الفت کے نو آموز سے

بس اُس پہ ہی ہوتا نہیں آہ و فغاں کا کچھ اثر
ہلتا تو ہو گا عرش بھی اِس شیونِ دلدوز سے

آنا نہ کاسہ لیس کی باتوں میں یارو تم کبھی
پہلو بچانا چاہیے اک مرغِ دست آموز سے

تم ہی کہو کیوں وعدۂ فردا پہ ہو پھر اعتبار
سالکؔ ابھی سنبھلا نہیں ہے حسرتِ دیروز سے

اب تو نہیں رہا گلۂ دوری بھی ہمیں
محفل میں اُن کی پیش ہوئی سُوری بھی ہمیں

مجھ کو یہ آس تھی کہ عیادت کو آئیں گے
لیکن نہ کام آئی یہ رنجوری بھی ہمیں

کرتے کبھی نہ پیار اگر جانتے یہ ہم
سہنا پڑے گی عشق میں مہجوری بھی ہمیں

صحرانورد آج تو آوارہ گرد کل
کروائی عاشقی نے یہ مزدوری بھی ہمیں

کیسا دیا ہے تُونے تصرّف یہاں ہمیں
رخصت نہیں بحالتِ مجبوری بھی ہمیں

اب داد گستری کو اگر جائیں تو کہاں
جائز نہیں بہانۂ معذوری بھی ہمیں

آہ وفغاں کریں گے نہ بیدادِ عشق پر
کرنی پڑے قبول اگر دوری بھی ہمیں

وہ سرگزشت سن کے ہوئے غمزدہ سبھی
اور داستاں سنائی نہیں پوری بھی ہمیں

کھائی ہے یہ قسم نہ کبھی بھی پییں گے اب
سالک ملی اگر مئے انگوری بھی ہمیں

ادائے جفا کے ستائے ہوئے ہیں
نہ چھیڑو ہمیں زخم کھائے ہوئے ہیں

تھی امیّد آئیں گے وہ خواب میں پر
کفوں میں وہ مہندی رچائے ہوئے ہیں

نہ پوچھو ہمیں آج کیوں شمع کو ہم
سرِشام سے ہی بجھائے ہوئے ہیں

مزا آرہا ہے کہ جب سے ہی اپنے
خیالوں میں محفل سجائے ہوئے ہیں

نہ چھیڑو اسے یہ چھلکنے کو ہے اب
بہت درد دل میں چھپائے ہوئے ہیں

چھلکنے نہ نینوں کو دینا کبھی تم
کہ آنکھوں میں ساگر سمائے ہوئے ہیں

اتارے کوئی بوجھ جو مدّتوں سے
وہ شانوں پہ اپنے اٹھائے ہوئے ہیں

تصوّر کے عالم میں رہنا ہے ہم کو
اسی سے تو دل کو لبھائے ہوئے ہیں

عہدِ ہجر کر کے بھی اُس کو توڑتا رہا
لخت لخت خواب وہ پھر سے جوڑتا رہا

ڈھل گئی جو شام تو سب پرند اُڑ گئے
جاؤں میں کہاں مگر بس یہ سوچتا رہا

کون ہوں کہاں سے ہوں آگے جانا ہے کہاں
کچھ پتا نہیں چلا گو کہ کھوجتا رہا

عمر بھر کے ساتھ کا کر گیا وہ عہد تو
ناسمجھ نہیں ہے دل پھر بھی ڈولتا رہا

ذکر ہو رہا تھا جب بزم میں وفا کا تو
اُس نے بس سنا کیا میں ہی بولتا رہا

گم گئی صدا کہیں زندگی کی بھیڑ میں
اپنی ہی ہر آدمی دوڑ دوڑتا رہا

درد کا مزا مرے منہ کو اس قدر لگا
دوستوں سے چھپ کے میں زخم نوچتا رہا

اگر سینہ ہے ارمانوں کا مدفن
تو یہ دل حسرتِ صحبت کا مسکن

اُسے جب مدتوں کے بعد دیکھا
ہوئی پل بھر کو بےترتیب دھڑکن

اُڑا ہی تھا کہ زیرِ دام آیا
لگائے گھات تھا اک صیدِ افگن

کہیں پاگل نہیں تو کیا کہیں پھر
جو سر پر راکھ تو ہے چاک دامن

ذرا دیکھو پرندوں کی اداسی
ہوئے برباد کل جن کے نشیمن

کرے ہے دور انساں کو خدا سے
اُدھر گر شیخ تو یاں ہے برہمن

کی تھیں جس پر جفائیں اے ستمگر
پڑا ہے سامنے وہ اب مکفّن

○

اہلِ عشرت کو گلہ ہے طعنۂ اغیار کیوں
خوفِ رسوائی تھا تو شوقِ لب و رخسار کیوں

چاہتی ہے وہ تجلّی اک نگاہِ پردہ سوز
تابِ جلوہ گر نہیں تو مانگیے دیدار کیوں

لذّتِ نظّارہ کی تسکین ہوتی ہو اگر
چھوڑ کر جاؤں کہیں پھر آستانِ یار کیوں

چرخِ سفلہ کو نہیں ہے دشمنی مجھ سے اگر
برق گرتی ہے مرے مسکن پہ ہی ہر بار کیوں

آبلہ پائی مری مشہورِ عالم ہو گئی
ہے وگرنہ راستہ گھر کا ترے پُر خار کیوں

مان جاؤں بیر تم کو کچھ نہیں مجھ سے مگر
بے سبب رہتے ہو پھر یوں برسرِ پیکار کیوں

لذّتِ ریشِ جگر پاتا اگر عاشق تو پھر
طالبِ تدبیر ہوتا عاشقِ بیمار کیوں

لطف آگیں ہے متاعِ دردِ پنہاں آج بھی
کیا کہوں، ہوں مبتلائے لذّتِ آزار کیوں

تو زلیخہ تو نہیں جو قدرِ یوسف جانتی
پھر مجھے تو نے کیا رسوا سرِ بازار کیوں

لیس تھے ناوک فگن گر ناوکِ مژگان سے
مارنے کے واسطے پھر ہاتھ میں تلوار کیوں

ہے قدم پہلا تمہارا امتحانِ عشق میں
تم ابھی سے ہو گئے ہو زیست سے بیزار کیوں

اور بجز اس کے کریں کیا عشق کے مارے ابھی
رات گننے میں گزرتی ہے مری تارے ابھی

ترکِ الفت ہی سہی پر کیا کرو گے ان کا تم
راکھ کے نیچے سلگتے ہیں جو انگارے ابھی

رات بھر سوئیں گے گہری نیند یہ مزدور اب
کام کر کے جا رہے ہیں جو تھکے ہارے ابھی

حکم اک جاری ہوا کر دو بدر اس شہر سے
اک قیامت سے نہ سنبھلے تھے جو بیچارے ابھی

ہو گئی ہیں مدّتیں دیکھا نہیں اپنا وطن
یاد ہیں پر شہرِ گم گشتہ کے چوبارے ابھی

خود کو باہمت سمجھتا تھا مگر یہ راستے
تو وہی ہیں جن سے گزرے تھے وہ من ہارے ابھی

کوتوالِ شہر نے ہم کو نکالا پر سنو
شہر میں داخل ہوئے ہیں اور بنجارے ابھی

سالکِ آشفتہ سر کو رستگاری ہو گئی
حاکمو تم شہر میں بجوا دو نقّارے ابھی

○

بظاہر سکوں تو دروں کھلبلی ہے
گریباں پھٹا پیرہن مخملی ہے

خبر آئی کوئی نہ پیغام آیا
دلِ باختہ کو عجب بے کلی ہے

بنایا تھا جس پیڑ پر آشیانہ
پتا اب چلا اُس کی جڑ کھوکھلی ہے

اٹھی شمع کی لو جو بجھنے سے پہلے
تو سمجھے نئی زندگی اک ملی ہے

زمانوں سے دیکھا نہیں تھا اسے پر
دلِ ریش میں اب کلی اک کھلی ہے

درِ دل پہ دستک ہوئی پھر سے شاید
لگا یوں کہ زنجیرِ در پھر ہلی ہے

نہ وعدہ نبھانا نہ کرنا وفا ہی
مری رائے میں تو بڑی بزدلی ہے

مری ناتوانی سمجھتا نہیں جو
کہے پیٹھ پیچھے کہ یہ کاہلی ہے

زیست کی ہر گھڑی کہے اب سے میں یادِ رفتہ ہوں
ختم ہوئی حیات اب آج میں خاک بستہ ہوں

کوچۂ عشق میں قدم اب نہ رکھوں گا پھر کبھی
کھاؤں فریبِ عشق کیوں صیدِ زدام جستہ ہوں

خندۂ زیرِ لب ہوا کھول کے وہ درِ قفس
اس کو پتا نہیں تھا کیا طائرِ پرشکستہ ہوں

جان کو ہار دوں یہیں آنکھ سے ہو اشارہ گر
حکم کا انتظار ہے مائل و دست بستہ ہوں

جب نہ رہے غرض کوئی تو وہ نشست چھوڑ دو
بزم کو چھوڑتا ہوں میں اب کہ چراغِ خستہ ہوں

موڑ ادھر یہ چشمِ شوق رقص کناں ہے موت یاں
دیکھ ذرا یہ اضطراب طائرِ نیم کشتہ ہوں

اپنا حساب آج کسی نے چکا دیا
اک شمع جل رہی تھی اسے بھی بجھا دیا

کس کا ہے انتظار تجھے مرگِ ناگہاں
اس گردشِ حیات نے مجھ کو تھکا دیا

ہم نے دیا تھا دل کہ رکھیں احتیاط سے
پوچھا کہ دل کہاں ہے تو بولے گما دیا

رہتا تھا انتظار مجھے اس قدر کہ اک
آوازِ پا نے خوابِ عدم سے جگا دیا

برسی رہی نہ یاد ہمیں اُس کی آج پھر
جس نے ہمارے پیار میں خود کو بھلا دیا

ملتا ہے بار بار تو جیون نہیں یہاں
پھر ایک بیوفا کے لیے کیوں لٹا دیا

پوچھا جو مجھ سے ہے کہیں مجھ سا حسیں کوئی
آئینہ میں نے ہاتھ میں اُن کے تھما دیا

سالکؔ نے قیدِ جسم سے جاں کو چھڑا لیا
چہرہ غلافِ خاک میں اپنا چھپا دیا

○

انجام بلندی کا ہوتا ہے تنزّل پر
حیران نگاہی کیوں اِس دورِ تسلسل پر

یہ یاد رہے اُن کو یاں خندۂ گل بھی ہے
جو کھینچتے ہیں آزار اک نالۂ بلبل پر

وہ اشک برستے ہیں طوفان امڈتے ہیں
آتا ہے گھٹا کو رشک جب گیسوئے سنبل پر

اب فکرِ رہائی سے آزاد مجھے کر دو
احسان کرو تم اِک زندانیٔ کاکل پر

ہم میں تھا تفاوت اک تعمیلِ وفا میں پر
راضی نہ ہوئے دونوں تجنیسِ مماثل پر

ہے ناز بہت تم کو اطوارِ ستم پر گر
تو فخر ہمیں بھی ہے برداشت و تحمل پر

گردش ہے فلک کی یا احساس ندامت ہے
ہوں شاد میں یا حیران اِس ترکِ تغافل پر

ایک لمحے نے بدل دی زندگی
ہر طرف ہی چھا گئی اک تیرگی

آرزو دیدار کی جاتی نہیں
کیا کروں بجھتی نہیں یہ تشنگی

واپسی کا منتظر رہتا ہوں میں
دیکھ کر ہنستے ہیں سب یہ سادگی

پھول تو کھلتے ہیں اب بھی ہر جگہ
پر نہیں ان میں رہی وہ تازگی

دردِ دل کچھ اور سوا ہو جاتا ہے
دیکھتا ہوں جب تجاہل پیشگی

مانگتا ہوں کچھ نہیں اِس کے سوا
بس عطا کر دے مقامِ بندگی

وقت کو پل میں سمٹتا دیکھ کر
خوش ہوا کچھ کم ہوئی یہ زندگی

بھیس میں اہلِ وفا کے تھے وہاں اہلِ ہوس
کوئی ایسا ہو کہ دے اِن کو بہ تحویلِ عسس

توسنِ عمر سے امیدِ اطاعت ہے عبث
باگ پر ہاتھ نہ رکھنے دے یہ منہ زور فرس

مدّتوں بعد پڑی کان میں جب ایک صدا
کچھ پریشاں بھی ہوئے گوش بہ آوازِ جرس

خوف رہتا ہے مجھے ایک یہی اب ہر دم
غصب ہی کر لے نہ کوئی یہ مرا کنجِ قفس

بند کرنا نہ مری آنکھ مرے مرنے پر
زندگی میں تو رہی نظرِ عنایت کی ہوس

مخلصی کا نہ ملا ایک بھی لمحہ اِس کو
دائم الحبس ہوا اِنس بزنجیرِ نفس

جس کو پرواہ نہیں تیری ذرا بھی سالکؔ
دیکھتے رہ اُسی کی بیت گیا اور برس

○

بے وفائی تو اُن کی خو کا لازمہ نکلا
عہد وہ وفا کا محض اک مکالمہ نکلا

دل میں جو بسایا تھا ایک بت زمانے سے
میرے ہی تخیّل کا اک مجسمہ نکلا

عمر بھر کیا پیچھا اک سراب کا میں نے
ان کو پیار ہے مجھ سے میرا واہمہ نکلا

کیا تضاد رکھے ہیں اِس جہان میں خالق
مہر و مہ بھی نکلے تو کوئی سالمہ نکلا

اُس کو بھول جانے کا جھوٹ کھل گیا جب ہی
دیکھ کر اسے ازخود دل سے زمزمہ نکلا

رات بھر سنایا تھا جو تمہیں فسانہ اک
اصل میں کہانی کا اک مقدمہ نکلا

تیرے بن گزارا جو اک زمانہ سالکؔ نے
وقت زندگی کا وہ عہدِ مظلمہ نکلا

○

اوروں کے واسطے جو اجل کا پیام ہے
میرے لیے وہ آبِ بقائے دوام ہے

پوچھی جو قتلِ عام کی توجیہ تو کہا
گزرا ابھی یہاں سے قیامت خرام ہے

تُو دوست ہو خدا کا یہ مشکل نہیں تجھے
نوعِ بشر ترا بھی عجائب مقام ہے

پوچھا کسی نے شمع سے دیتا ہے جان کیوں
اُس نے دیا جواب یہ سوزِ تمام ہے

آغاز کا پتا ہے نہ منزل کی کچھ خبر
کچھ دیر کو سرائے کہن میں قیام ہے

ہم بھی گئے تھے کوچۂ دلدار شوق سے
سب سے سنا تھا تیغِ ستم بے نیام ہے

عاشق ہوا ہے اُس پہ یہ نادان دل مرا
جس کا ستم جہان میں مشہورِ عام ہے

مہلت ذرا مجھے ابھی کچھ اور چاہیے
اے مرگ میرا کام ابھی ناتمام ہے

○

چلے گئے وہی کہ جن سے گھر کی آن بان تھی
مکین کے وجود سے ہی رونقِ مکان تھی

پھروں نہ کیوں تلاش میں گلی گلی نگر نگر
جو چیز کھو گئی کہیں وہی متاعِ جان تھی

جو سانس کھینچنے کو آنکھ موند لی اگر تو کیا
تھی زیست بے مزا تو کچھ سفر کی بھی تکان تھی

خدنگِ جستہ کا گماں تھا چرخِ سینہ سوز پر
اٹھی نگاہ تو سجی فلک پہ اک کمان تھی

شبِ فراق کی سحر کا پوچھتے ہو کیا مجھے
سسک رہی تھی صبح اور فضا لہولہان تھی

ہوا نہ فرق میری اور داستانِ شمع میں
گزر گئی جو عمر وہ شدید امتحان تھی

ہوا ہے راز آشکار نامہ بر نہیں تو کیا
نہ منہ سے کچھ کہا تو کیا وہ آنکھ ہی زبان تھی

○

بے وفا ہوتے تو مر جاتے ہم
انگلیاں اُٹھتیں جدھر جاتے ہم

آج بھی رات سڑک پر ہی ہے
گھر کہیں ہوتا تو گھر جاتے ہم

ساگرِ عشق کا ہوتا ساحل
تو کنارے پہ اتر جاتے ہم

باندھتے رشتہ بہ پا سوتے میں
پوچھتے تم تو مکر جاتے ہم

گر وہ بازار میں ملتے بھی تو
دیکھ کر راہ کتر جاتے ہم

پیار کی ایک نظر پڑتی تو
جان سے اپنی گزر جاتے ہم

اور کچھ دیر جیے ہوتے تو
عین ممکن تھا سدھر جاتے ہم

آپ کے دل میں جگہ ملتی تو
پھر وہاں سے نہ کدھر جاتے ہم

پھول ہوتے جو تو پتے بن کر
راہ میں اُن کی بکھر جاتے ہم

دے دو مسجد میں ہی پیمانہ مجھے
آج کیا جانا ہے میخانہ مجھے

دیپ آندھی میں جلائے جو کبھی
تو کہا خلق نے دیوانہ مجھے

دیکھنا خواب کا ٹھیرا ہے خطا
پھر ہوا آج بھی جرمانہ مجھے

دن گزرتا ہی نہیں اُن کے بنا
آتے ہیں یاد وہ روزانہ مجھے

نہ رہی غم کے اٹھانے کی سکت
جب نہیں کوئی ملا شانہ مجھے

جانتا ہوں وہ یہاں رہتے نہیں
پھر بھی پیارا ہے یہ ویرانہ مجھے

دیکھنا دور سے منظور ہوا
شوخیٔ دیدارِ جانانہ مجھے

دے کچھ تو درس حسن کو یارب ثبات کا
مل جائے ایک گھونٹ ہی آبِ حیات کا

پیچھے چلا میں جس کے وہ خود تھا تلاش میں
رستہ ضرور ہو گا کوئی تو نجات کا

جو ماتمی لباس کا پوچھا سبب تو وہ
بولے ہوا ہے خون مری خواہشات کا

اٹھتی ہے جب ترنگ سمندر کی موج میں
تو دل پہ کیوں اثر نہ ہو پھر چاند رات کا

چوری کیا کسی نے مرے یار کا جو دل
ملزم مگر ہوا تو میں، اس واردات کا

مجھ کو نہیں ہے یاد عنایت کی اک نظر
کب اتفاق مجھ کو ہوا التفات کا

آسان تو نہیں ہیں محبت کے راستے
میں رات سوچتا ہی رہا مشکلات کا

میں نے کہا رقیب سے مت تم ملا کرو
کچھ بھی اثر ہوا نہ مگر میری بات کا

○

دردوں نے دی ہے اک حیاتِ جاودانی پھر ہمیں
دیکھو ملی ہے لذّتِ دردِ نہانی پھر ہمیں

بس چاہیے پہلے سہے دشواریاں وہ زیست کی
آ کے بتائے زندگانی کے معانی پھر ہمیں

اک داستانِ عمرِ رفتہ آج پھر چھیڑے کوئی
کوئی کرائے یاد وہ یادیں پرانی پھر ہمیں

کہہ کر گئے تھے وہ پہنچنے کی خبر دیں گے ضرور
آیا نہ خط کوئی نہ پیغامِ زبانی پھر ہمیں

دائم جسے سمجھے تھے وہ تو عارضی ثابت ہوئی
میرے خدا اک بار لوٹا دے جوانی پھر ہمیں

زندانِ یوسف کے درودیوار پھر ہیں منتظر
دے یوسفِ گم گشتہ شرفِ میزبانی پھر ہمیں

اس وقت کو ہم قید کر لیں بس ہمیشہ کے لیے
یارو اگر مل جائیں وہ شامیں سہانی پھر ہمیں

دم ابھی تو لیا تھا بمشکل
اک قیامت ہوئی اور نازل

ہے نظر سے عیاں جذبۂ شوق
پر تہی کاسۂ قلبِ سائل

پوچھ کچھ کیوں کرے کوئی آخر
دے اگر بید ہی زہرِ قاتل

سر پٹختی ہے یاں موجِ حسرت
آنکھ ہے ساحلِ ساگرِ دل

زخم اُس کا ہوا مندمل کب
جو ہوا تیغِ مژگاں سے گھائل

چل نہ پڑنا کہیں اُس کے پیچھے
راہ میں گر ملے خضرِ منزل

راکھِ شیدا نے تسکین پائی
جب ہوئی غم فشاں شمع محفل

چین پاتا نہیں وہ جفا کار
دیکھ جب تک نہ لے رقصِ بسمل

○

دردِ جگر کی یارو جب سے بڑھی ہے شدّت
جینا ہی ہو گیا ہے اک امتحانِ ہمت

وہ حالتِ غضب میں کرتے ہیں یاد مجھ کو
ڈرتا ہوں حاضری سے اچھی نہیں ہے نیّت

برتاؤ جو ہوا تھا بھولے نہیں ابھی ہم
خوفِ خروج میں کیا جہدِ حصولِ جنت

عاشق ہوئے نہیں ہو گر زیست میں کبھی تو
جانو گے تم بھلا کیا زہرابِ غم کی لذّت

قائم طراوتِ دل ہے ضبطِ آہ سے ہی
چشمِ پُر آب کا کیوں دل ہو رہینِ منّت

جور و جفا سے توبہ کر تو رہے ہیں لیکن
میں دیکھتا نہیں ہوں رُخ پر نقوشِ خفّت

سنتا ہوں آ رہے ہیں وہ بہرِ قتلِ عاشق
پلکیں بچھا رہا ہوں تا ہو نہ اُن کو دقّت

اب کوئے ناز میں ہم جاتے نہیں کبھی بھی
جائے کوئی وہاں کیوں جس جا ہو خوفِ ذلّت

دیکھا جو مدّتوں بعد سالکؔ کو ہم نے کل تو
تھا حلق میں دم اس کے تھا حال جائے رقّت

چھا گیا گھٹا کی طرح گو سحابی تو نہیں
پر برسنے کی ابھی کچھ شتابی تو نہیں

مست آنکھ میں تری ہے شراب کا نشہ
ساقیا نہ دیکھ یوں میں شرابی تو نہیں

سنتے ہیں چمن میں کل آگ پھر سلگ اٹھی
ہو گئی ہے پھر کہیں بے نقابی تو نہیں

پھینکتے ہیں تیر کیوں آج آپ اِس طرف
آپ سے ہمیں ابھی بے حجابی تو نہیں

آج تیری آنکھ میں دعوتِ مجاز ہے
جانتا ہے تُو مگر میں سرابی تو نہیں

دیکھتے ہی کہہ دیا روتے پھر رہے ہو تم
گرچہ میری آنکھ بھی کچھ گلابی تو نہیں

ایک رہ گزر پہ کیوں مل سکے نہ ہم کبھی
سوچتا ہوں اس میں تھی کچھ خرابی تو نہیں

چھین لی متاعِ عشق کر دیا گدا مجھے
کیسے اب جیوں گا میں کچھ نہیں پتا مجھے

یاں متاعِ درد بھی ہے نہیں کسی سے خاص
ہو قصور اور کا ملتی ہے سزا مجھے

رات کیوں خموش تھی صبح کیوں اداس ہے
آ کے در پہ روز ہی پوچھتی صبا مجھے

زیرِ لب چھپی ہنسی شوخ پن وہ آنکھ کا
پرکشش لگے ہے اب اُن کی ہر ادا مجھے

پھر رہا ہوں دشت میں دور تک بشر نہیں
آ رہی ہے دور سے پر کوئی صدا مجھے

سفرِ زیست ہے کٹھن ہو گئی بہت تھکن
تُو ہی دے سکونِ دل اب مرے خدا مجھے

دھڑکنوں کی خامشی کر دے گی خبر تمہیں
مرضِ عشق سے اگر ہو گئی شفا مجھے

○

دیکھی نہیں تھی عشق کی دیوانگی پہلے کبھی
ہم کو نہ تھی یہ عادتِ آوارگی پہلے کبھی

دل کو ہوا ہے شوق آہنگِ غزل کا آج پھر
تھی شاعری سے تو نہیں دل بستگی پہلے کبھی

ظلم وستم اب بھی سہیں گے خامشی سے سن رکھو
کب کی تھی ظاہر تجھ پہ دل آزردگی پہلے کبھی

جاتا ہوں اب دشتِ جنوں کو دیکھیے ہوتا ہے کیا
پہنا نہیں پیراہنِ آشفتگی پہلے کبھی

ترکِ انا کے بعد پھر درسِ جبیں سائی دیا
معلوم تھا کس کو مقامِ بندگی پہلے کبھی

اک ضابطہ ہے زندگی کا جو دیا قرآن نے
کچھ بھی نہ تھا ہم کو شعورِ زندگی پہلے کبھی

تھا معصیت کا عذر کیا دیتا جو روزِ حشر میں
مجھ کو نہیں اتنی ہوئی شرمندگی پہلے کبھی

آ جاؤ تم گر خواب میں دل کو سکوں آ جائے گا
نے اسقدر دیدار کی تھی تشنگی پہلے کبھی

آتا نہیں ناراض ہو کر بات منوانا مجھے
لائے تھے کب خاطر میں وہ ناراضگی پہلے کبھی

دیکھ کر قہر قیامت کا پری قامت میں
چشمِ بیمار وہیں ڈوب گئی حیرت میں

کر دیا دیس بدر اہلِ چمن نے جب تو
اجنبیت کا گلہ کس سے کریں غربت میں

دوست یاروں سے کرے کوئی شکایت کیوں جب
ساتھ دیتا نہیں سایہ بھی شبِ ظلمت میں

لذّتِ ریشِ جگر میں نہ ہوئی بیشی جب
درد کچھ اور زیادہ ہو گیا شدّت میں

دن ڈھلے نالۂ بلبل جو سنا کرتے ہیں
گریۂ شمع پرکھتے ہیں شبِ فرقت میں

تھیں امنگیں تو بہت سینہ دریدہ میں پر
کچھ نہیں غم کے سوا اب دلِ پُرحسرت میں

بھول مجھ سے ہی ہوئی دوش اسے دوں کیونکر
چھیڑ بیٹھے تھے اسے ایک بری ساعت میں

زندگی کس کے لیے ہم نے گنوا دی اپنی
پھر سناؤں گا کہانی یہ کبھی فرصت میں

کِرمکِ شمع کا نذرانۂ جاں سمجھا میں
حسن جب دیکھ لیا میں نے تری نخوت میں

○

دیکھ بہار آئی ہے خاطرِ داغدار پر
تم ہی بتاؤ جو کیے ظلم دلِ فگار پر

ساگرِ موج خیز میں صمتِ منارِ نور سن
آہ وفغاں کا شور ہے ساحلِ موج دار پر

دشتِ جنوں میں چاک جیب جس کے لیے ہوے تھے ہم
خندہ ہوئے وہی مرے دامنِ تار تار پر

بارِ گنہ کا عذر کیا رحمتِ عام کے سوا
نظرِ کرم ہو اے خدا ایک گناہ گار پر

آئی نہ جانے دل میں کیا ایک غریبِ شہر کے
شمع جلا گیا وہ اک شام مرے مزار پر

سان گمان تھا نہیں وعدہ خلافی کا مگر
ایک سکوت چھا گیا آج مری پکار پر

پیش رہے قدم ابھی پاس ہے منزلِ پناہ
دوست کئی گزر گئے زیست کی رہ گزار پر

وضع میں فرق آئے کیوں موسموں کے بدلنے پر
آتی نہیں خزاں کبھی شجرِ سدا بہار پر

دیکھے بہت ہیں ہم نے زمانے کے حادثات
مہلک مگر تھی سب سے محبت کی واردات

ہے اضطرابِ شمع نہ ہی رنگِ گُل ترا
پھر کیوں تجھے ہے ناز نہیں ان کو گر ثبات

نظریں ہیں مہربان وہ غیروں کے واسطے
بس ایک ہم پہ ہی نہ پڑی نظرِ التفات

آماجگاہِ دل میں ادھوری سی حسرتیں
پوری ہوئی جو اک تو بڑھیں اور خواہشات

کرنے چلے ہیں عشق کہ کیا کم تھیں الجھنیں
دیکھو کہ زندگی کی بڑھاتے ہیں مشکلات

پردہ لطیف وہ کہ نہ تحلیل ہو سریر
گر اُس طرف ہے موت تو ہے اِس طرف حیات

چکھیں گے ہم بھی زیست کا سالکؔ کبھی مزا
اِس زندگی میں ہم کو ملی غم سے گر نجات

ظلمتِ رنج جب بڑھی دل کے دیے جلا دیے
نوحۂ غم سنا اگر سیلِ رواں بہا دیے

سیرِ چمن کو جب گئے غنچۂ ناشگفتہ نے
حلقۂ دام وا کیے گویا کہ مسکرا دیے

پرسشِ حال کے لیے ملنے گیا میں آج تو
میری غزل کے شعر کچھ جھوم کے گنگنا دیے

راہ گزارِ دل میں ہم راہ نشیں ہوئے مگر
پھر وہ چراغِ رہ گزر شام پڑے بجھا دیے

کوئی خبر کرے انہیں ٹوٹ رہے ہیں سانس اب
آج متاعِ زیست سے قرض سبھی چکا دیے

منزلِ شوق ہو کہیں دیدۂ شوق اب نہیں
ہم نے دیارِ عشق کے راہ گزر بھلا دیے

دشت و دمن میں اک قدم کوہ و دمن میں دوسرا
راہِ وفا میں ہر جگہ داغِ کہن سجا دیے

کھول دیا درِ قفس دیکھ کے حسرتِ نگاہ
تھے جو طیور زیرِ دام آج سبھی اڑا دیے

بود و عدم کا افتراق بیش نہیں ہے یک نفس
ہم نے پلک جھپکتے ہی فاصلے سب مٹا دیے

○

دیتے ہیں دوش مجھ کو ہی وہ کھینچ تان کے
میں تو لگوں گا منہ نہ پھر اس بدگمان کے

دیتا ہے جان رقص کناں بزمِ عشق میں
لرزاں ہے شمع خواہشِ پروانہ جان کے

اس کا کروں تو کیا کہ شکستہ ہوا یہ دل
بیٹھا ہوں رنج پال کے دنیا جہان کے

یوں ہو کہ سیرِ باغِ عدم ہو سکے کبھی
زندان میں پڑا ہوں زمان و مکان کے

جب راہبر کو ہی نہ ہو معلوم راستہ
تو جائے ساتھ کیوں کوئی اس کاروان کے

پھر سے بہار آئی ہے صحرا میں دوستو
پھر گونجتے ہیں گیت یہاں ساربان کے

دعوائے عشق اُن کا نہیں قابلِ لحاظ
پاؤں میں آبلے نہیں جن عاشقان کے

سالکؔ پڑا ہے عشق میں نخوت پرست کے
اُن کو زمیں سے کیا جو مکیں آسمان کے

○

دیکھو چھلک رہا ہے پیمانہ چشمِ تر کا
سمجھے ہو اشک جس کو وہ درد ہے جگر کا

گر جانتا کسی کو تو پوچھتا کسی سے
رستہ ہوا فراموش جب مجھ سے اپنے گھر کا

پھر رُت خزاں کی آئی عریاں ہوئے شجر پھر
ناپید ہو گیا پھر سایہ مرے شجر کا

سانسیں اٹک رہی ہیں بیمارِ عشق کی یاں
اب منتظر ہے بس اک چاہت بھری نظر کا

ویران ہو گئی ہے یہ بے ثبات دنیا
اب صرف رہ گیا ہے چرچا ہی ہمسفر کا

وارستگی بھی یارو آسان تو نہیں ہے
رہتا ہے مجھ کو ہر دم اک خوف بال و پر کا

مرقد میں بھی ضمانت تسکین کی نہ ہو گی
پھرنا لکھا ہو جس کی قسمت میں در بدر کا

بجھنے دو شمع کو اب تا ختم ہو شبِ غم
مدّت ہوئی کہ سالکؔ ہے منتظر سحر کا

○

دیکھے ہیں ہم نے آپ کی زلفوں کے پیچ و خم
ان کو کھلا ہی چھوڑ دو تا گھٹ نہ جائے دم

ساگر میں گر کے ڈوب گیا قطرہ اشک کا
ہر بوند اشک کی ہے گراں بارِ رنج و غم

اچھا نہیں کیا جی ستا کر رقیب نے
ہے توڑنا برا ہو فروکش جہاں صنم

اب دیکھتے ہیں ملتی ہے نصرت کسے یہاں
ہم کو نمودِ صبر انہیں نخوتِ ستم

ہے انتظارِ نیست کبھی کا ہمیں مگر
ایسا کوئی تو ہو جو دکھائے رہِ عدم

نافذ ہوا ہے حکمِ زباں بندی شہر میں
لب بستگی نے میری ترا رکھ لیا بھرم

واجب نہیں ہے سجدہ ہو پتھر یا بت کوئی
مسجود تو وہی ہے کہ ہو دیر یا حرم

قطرہ گرا جو خاک پہ سالکؔ سمجھ گیا
تربت پہ آج آئے ہیں لے کر وہ چشمِ نم

○

دیکھا جو میرے یار کو تو کہہ اُٹھی یہ یاسمین
دیکھا نہیں تھا آنکھ نے تجھ سا سجیلا اے حسین

آساں نہیں رہنا وہاں جس جا قفس ہو ہر قدم
صیّاد ہوں جب گھات میں بیٹھے لگائے سب کمین

چھوٹا ہوا دشتِ ہویدا بھی جنوں کے واسطے
انسان جائے تو کہاں جب تنگ ہو جائے زمین

کچھ یار تھے کچھ دوست تھے جانے کہاں رخصت ہوئے
خالی پڑے ہیں سب مکاں جانے کہاں ہوں گے مکین

کل رات دیکھا چاندنی کی تاب میں ہم نے اسے
جیسے سجی ہو مورتی چاندی کی کوئی دلنشین

اک دوسرے سے اس قدر تھیں مختلف سب عادتیں
رونق ہوئے محفل کی وہ تو میں رہا گوشہ نشین

چھوڑا نہیں ہرگز کہیں کا عشق نے سالکؔ تجھے
جو ہوش تھا وہ ہے جنوں وہ ہے گماں جو تھا یقین

○

دیکھا جو چاند کو کل تو اک خیال آیا
دلبر کا سوچتے ہی دل میں اُبال آیا

دیکھی مصوّری جب اس چتر کار کی تو
میرے خیال میں اک چہرہ جمال آیا

دیکھی جو چشمِ دل سے اک آنکھ نرگسی سی
فکر و گمان میں اک چشمِ غزال آیا

دیکھو کہ ڈالنے کو زخموں پہ پھر نمک وہ
کتنی ہی دور سے آج وہ خوش خصال آیا

محشر کی اک گھڑی بھی مجھ پر گزر گئی پر
یارو نہیں کہیں سے پرسانِ حال آیا

روزِ ازل کو جو بھی قسمت لکھی گئی تھی
حصے میں میرے تب بھی جامِ سفال آیا

ہوتا ہے کیوں پریشان اُن کے سلوک سے تُو
اُس بزم میں گیا جو غم سے نڈھال آیا

○

دیکھ لے کوئی نہ میرے زخم کے پھائے کہیں
آہِ برگشتہ اثر کوئی نہ سن پائے کہیں

ہے شکارِ جستہ جو کیوں ہو اسیرِ زلف وہ
مرغِ زیرک کیوں کبھی دامن کو الجھائے کہیں

سوچ رکھا ہے یہی اُن سے کروں گا میں کبھی
اِس تغافل کا گلہ گر خواب میں آئے کہیں

پوچھنے والا ہو کوئی بانیِٔ بیداد کو
ابرِ نیساں ہے کہیں تو آگ برسائے کہیں

زندگی کا حسن ہے نیرنگیِٔ ایّام سے
ہے کہیں گر چین تو تصدیع کے سائے کہیں

یار سے ملتے ہوئے کھٹکا لگا رہتا ہے اک
پھر رقیبِ روسیہ نے منہ اٹھا لائے کہیں

ہے دلِ نادان پھر آمادۂ وارفتگی
ہو نہ ایسا ہر قدم پر ٹھوکریں کھائے کہیں

راہ کتراتا ہوں بعدِ ترکِ الفت آج بھی
خوف ہے پھر سے نہ وہ ظلم وستم ڈھائے کہیں

ڈھونڈنے سالکؔ چلا ہے راہ تیری اے خدا
راستے میں ہی تھکاوٹ سے نہ رک جائے کہیں

○

دل مبتلا ہوا پھر سرزد ہوئی خطا پھر
ہم ہو گئے ہیں قصداً مستلزمِ سزا پھر

اخفائے دردِ دل ہے دستورِ عاشقی یاں
دعوائے عشق ہے گر تو رسم کر ادا پھر

بے جا کرے ہو اُس کو تم بدگمان مجھ سے
ناخن سے کر رہے ہو یوں گوشت کو جدا پھر

ہم نے سنی نہیں وہ آواز مدتوں سے
دل ہو رہا ہے بیتاب ہیں گوش بر صدا پھر

راضی نہیں اگر تو قسمت پہ اے بشر تُو
تقدیر کے خطوں کو ہمت ہے تو مٹا پھر

پھولوں پہ بن کے شبنم اللہ کرے گرے تُو
خطِ شعاع بن کر تجھ کو کروں فنا پھر

آیا مقابلے پر تھا سخت جان وہ بھی
پھینکا جو تیرِ غمزہ سنبھلا مگر گرا پھر

کوشش تو کی تھی ہم نے جینے کی تیرے پیچھے
پر کیا کریں کہ دل ہی مطلق نہیں لگا پھر

تم ہی بتاؤ کیوں ہم کرتے نہ دشت گردی
یاں بعدِ ترکِ الفت پیچھے نہ کچھ رہا پھر

دیتا ہے دوش کیوں تُو ردِّ دعا کا اُس کو
قبلہ درست کر کے دستِ دعا اُٹھا پھر

○

ہے اثر بالکل نہیں نالۂ سوزاں میں مرے
کچھ کمی شاید ابھی رہتی ہے ایقاں میں مرے

سب میسّر ہے مجھے صحرا کی وسعت کے سوا
دل لگا رہتا جو ہوتا دشت زنداں میں مرے

چاہتا ہے اور کیا مجھ سے زمانہ اب بھلا
توڑ ڈالا تار جو اک تھا گریباں میں مرے

شمع روشن کی لہو سے غم ملا جب بھی مجھے
ہو رہا ہے اک چراغاں اب شبستاں میں مرے

غم نہیں اِمروز کا ہے عشرتِ فردا کی فکر
رام رس رکھا ہوا ہے کچھ نمکداں میں مرے

وسعتِ برداشت نے مجھ کو کیا حیران پھر
کس قدر غم رچ گئے حلقۂ داماں میں مرے

اک لگا بہتانِ سرقہ مجھ پہ سب کے سامنے
بھائی نے ہی رکھ دیا اک جام ساماں میں مرے

گھٹا غم کی اٹھی ایسی کہ برسا جھوم کر بادل
نہیں ممکن رہا جب ضبط تو سب بہہ گیا کاجل

نہ دیکھیں تم نے آنکھیں وہ یہی کہتے وگرنہ تم
نوا پردازیٔ چشمِ فتاں نے کر دیا پاگل

سمجھ لو دل کسی بلبل کا پھر سے چاک ہوتا ہے
چمن میں پھوٹتی ہے جب کبھی بھی اک نئی کونپل

وہاں پر شورِ محشر تھا مرے جانے سے پہلے پر
ہوئے سب دم بخود داخل ہوا جب میں سرِ مقتل

مجھے تاکید تھی اخفائے رازِ عشق کی لیکن
وہ خود جب سامنے آئے تو منہ پر لے لیا آنچل

سکونِ دل کا اندازہ لگاتے ہیں وہ چہرے سے
نظر آئی کسی کو کب سمندر میں مچی ہلچل

نہ ہی معلوم عنواں ہے نہ منزل کا پتا مجھ کو
رُکا کچھ دیر دم لینے قدم جب ہو گئے بوجھل

دوستو عشق کا غم پال لیا
طوق خود ہی گلے میں ڈال لیا

ڈال کر ایک نظر دل لے گیا
مفت میں مشتری نے مال لیا

آئیں گے یاد نہ اِس سال مجھے
اُن سے پیمان یہ ہر سال لیا

آنکھ سے کیا ہو گئی لغزش اک
روگ جی جان کا ہی پال لیا

جب نظر آئی برائی کسی میں
تو گریبان میں منہ ڈال لیا

آس بخشش کی نہیں تُو نے اگر
ہاتھ میں نامۂ اعمال لیا

لاسکا پھر نہ زباں پر سالکؔ
شوق کو شبد میں جب ڈھال لیا

○

حسنِ سادہ کا کہاں شہرہ نہیں
ہے کوئی خوشبو کہ آوارہ نہیں

ہے اسی کی ہر طرف جلوہ گری
بن جمالِ یار یک ذرّہ نہیں

تھا لہو جو بہہ گیا آنکھوں سے سب
اب جگر میں خون کا قطرہ نہیں

گر مرے دل میں تجھے رہنا ہے تو
درد بننے کے سوا چارہ نہیں

حیرتِ جلوہ ہوا اُن کا نقاب
دیکھتے پر تابِ نظارہ نہیں

زندگی چاہے ہو کتنی ہی طویل
پر کریں گے عشق دوبارہ نہیں

ہوں تلافی کو میں تو تیار پر
جرمِ ناکردہ کا کفارہ نہیں

عشق نے چھوڑا کہیں کا بھی نہیں
تھے وگرنہ جنسِ ناکارہ نہیں

خط میں لکھ رکھا ہے حالِ دل مگر
اس کے لے جانے کو ہرکارہ نہیں

○

دل کو ہوا ہے کیا کہ مچلتا نہیں کبھی
اب نام پر کسی کے دھڑکتا نہیں کبھی

اب توسنِ جنوں کو لگائی ہے باگ تو
وحشت بھرا یہ جام چھلکتا نہیں کبھی

میں نے کیا ہے دل کو مقلد دماغ کا
اب خواب ٹوٹ کر بھی بکھرتا نہیں کبھی

ادراک اور خرد پہ تفوّق ہے ضبط کو
جوہر بنا جنوں کے نکھرتا نہیں کبھی

ہر چند خود کو محو کیا ہم نے کام میں
اُس کا خیال دل سے نکلتا نہیں کبھی

میں چاہتا تو ہوں کہ نکل جاؤں دشت کو
پر کیا کروں میں دل کا بھٹکتا نہیں کبھی

ایسی کوئی دوا ہو کہ یادیں مٹا سکے
اک رنج میرے دل سے بچھڑتا نہیں کبھی

پی تھی نگاہِ مست سے اک بار جو کبھی
ایسا چڑھا نشہ کہ اترتا نہیں کبھی

ڈھونڈتا ہوں ہر طرف پاتا نہیں لیکن کہیں
چین آجاتا مجھے ہوتا اگر درشن کہیں

بزم میں جاتا نہیں تا حالِ دل پنہاں رہے
اس دلِ بیتاب کی وہ سن نہ لیں دھڑکن کہیں

دوستوں کو آ گیا اک روز ملنے کا خیال
ڈھونڈتے ہیں اب مگر ملتا نہیں مدفن کہیں

کیا گئے تم زندگی سے لے گئے مال و متاع
اور ملے گا اب کہاں مجھ سا تہی دامن کہیں

جب درِ دل وا ہوا تو خامشی سے آ گیا
اک ہجومِ یاس کو بھی چاہیے مسکن کہیں

سرو قد ہے گل بدن تو آنکھ اُس کی نرگسی
ہے عیاں غنچہ دہن تو ہے نہاں سوسن کہیں

پوچھتے ہیں ہے کوئی مجھ سا حسیں اِس شہر میں
چھان مارا شہر سارا نا ملا درپن کہیں

ڈھونڈو نہ اسے کہانیوں میں
وہ جو رہتا ہے حاشیوں میں

طوفانوں سے چھپا رہا ہوں
اک شمع کی لو ہتھیلیوں میں

امیدِ سکوں تھی قبر میں پر
ہے شور بہت خموشیوں میں

اب ڈھونڈتے ہیں کرن خوشی کی
شہرِ دل کی اداسیوں میں

پرواہ کرو نہ میری یارو
خوش ہوں کلفت کی آندھیوں میں

کیوں چھا سی گئی ہے اک اداسی
اِس شہرِ فتن کے باسیوں میں

بن تیرے گزارتا ہے سالک
ہر شام پگاہ سسکیوں میں

○

دھوم اک پڑی ہو جب ظلم و جورِ خوباں کی
کیوں کوئی ہو جو آئے زد میں تیرِ مژگاں کی

روزِ حشر پوچھا کیوں ہو نشے میں تو بولے
قبلِ مرگ جھانکا تھا آنکھ میں جانِ جاناں کی

عندلیب کے نغمے کان میں پڑے ایسے
داستان ہو جیسے ایک شامِ ہجراں کی

دوستوں سے کیونکر ہو شکوہ کم توجہی کا
فکر ہو کسی کو کیوں اک اسیرِ زنداں کی

محفلیں تبسّم کی سنگِ یار جو گزریں
ہو گئی ہیں زیبائش اب وہ طاقِ نسیاں کی

اعتبار وعدے پر تم نے پھر کیا ہی کیوں
جب تھی ہی نہیں اُن کو قدر عہد و پیماں کی

تھی بہار یاروں کی جس جگہ کبھی سالکؔ
آؤ سیر کروائیں تم کو شہرِ ویراں کی

○

دیے تھے زخم مجھے جو مرے مقدر نے
شفا دی اُن کو کسی کی نظر کے نشتر نے

گئے جو سیر کو کل ساحلِ سمندر پر
تو پیر چوم کے کی پیشوائی ساگر نے

تھا اختیار نہیں دل پہ ورنہ کیوں دیتا
یہ کیا ہوا کہ لیا بھی تو اک ستمگر نے

خرامِ نازِ دل آرا پہ جب نظر ٹھہری
دبا لی دانتوں میں انگلی وہیں صنوبر نے

کیا کسی کو تو گمراہ دینِ حق سے اور
کسی کو چھوڑ دیا راہ میں ہی رہبر نے

گلہ تھا آپ کو ہم بات کیوں نہیں کرتے
سنیں جو کہہ نہ سکے کہہ دیا وہ جھانجر نے

ہے اسپِ تیز قدم پر سوار عمرِ انس
سبک خرامی پہ شکوہ کیا ہے صرصر نے

○

دل نہیں غم سے ترے اک پل کو بھی غافل ہوا
دکھ دیا ایسا مجھے جو جھیلنا مشکل ہوا

مار چھوڑے گا غمِ فرقت ہمیں تم دیکھنا
رنج مہجوری کا دے کر کیا تمہیں حاصل ہوا

گر کے اُٹھنا تھا نہیں دشوار پہلے تو کبھی
اب گرا ایسا نہ اٹھنے کے کبھی قابل ہوا

جانتے بھی زد میں جب بیٹھا رہا صیّاد کی
دوش پھر دوں تو کسے طائر اگر بسمل ہوا

تشنگی یہ پیار کی کیسے بجھا پائیں گے اب
پہلے بہتا تھا جہاں ساگر وہاں ساحل ہوا

ہے نہیں مشکل ذرا بھی جان دینا اب یہاں
اک خیالِ فرقتِ دائم مرا قاتل ہوا

گوش بر آواز ہیں اک گوہرِ مقصود کو
کب میں ورنہ اِس سے پہلے درخورِ محفل ہوا

○

ڈھونڈے ہوں اُن کو آئینۂ ماہ و سال میں
گم ہو گئے ہیں زیست کی جو بھیڑ چال میں

جو فاصلے تھے بیچ کے طے ہو گئے کہ جب
دیکھا نگاہِ شوق سے بزمِ خیال میں

دیکھا خرامِ ناز کو تو دل پھسل گئے
موجِ صبا کا رنگ ہے مستانہ چال میں

نکلا جو بعدِ شام تو بولا چکور یہ
پاتا نہیں جو داغ تھا ماہ کمال میں

ہے سرگراں وہ دشتِ جنوں میں کہو انہیں
تہذیب ڈھونڈتے ہیں جو وحشی مثال میں

جس نے کیا تھا قتل مجھے وہ وہی تو ہے
شب بھر جو ناچتا رہا دشتِ قتّال میں

لیتے ہیں وہ وبال گناہوں کا اپنے سر
جو ڈھونڈتے ہیں عیب خجستہ خصال میں

یہ احتیاطِ وضع جنوں ہے کہ ہو نہیں
آلودگی نشاط کی رنگِ ملال میں

کر دے گی ڈھیر راکھ کا اک دن ضرور یہ
جلتی ہے آگ جو دلِ آشفتہ حال میں

○

دل میں کوئی شرار باقی ہے
لذّتِ یادِ یار باقی ہے

سب جفاؤں کی مل گئی اجرت
پر ابھی اک ادھار باقی ہے

جاں غمِ عشق سے چھٹی تو کیا
کُل غمِ روزگار باقی ہے

ہم ہوئے زندگی میں تو رسوا
مر گئے تو مزار باقی ہے

دیکھ لیں زیست کی رتیں سب ہی
اک ورودِ بہار باقی ہے

ہے ہزیمت نہیں ہمیں تسلیم
اک بھی گر شہسوار باقی ہے

بے کلی دور ہو گئی لیکن
خواہشِ اضطرار باقی ہے

سہہ لی ہیں اُن کی سب جفائیں پر
خنجرِ آب دار باقی ہے

عجلتِ جشنِ فتح کیوں آخر
آخری کارزار باقی ہے

آبلہ پا نہ خوش ہوں تو کیونکر
ابھی اک خارزار باقی ہے

○

دل کو نہ یوں جلاتے ہم ہوتے وہ ہم نشیں اگر
اُن کو دکھاتے داغِ دل ہوتے وہ ہم قریں اگر

تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں ہو جاؤں میں
گرم نگاہ ہی سہی نظرِ کرم نہیں اگر

بادہ کشانِ عشق ہیں چشمِ خمار ہی سہی
آج نہیں ہے ساقیا بادۂ آتشیں اگر

تابشِ ماہ کا گماں ہو گا شبِ سیاہ پر
پردہ اٹھائے چہرے سے پیکرِ مرمریں اگر

شہرِ فتن تو آج بھی تیرے بنا اداس ہے
دینا اسے پیام یہ تم کو ملے کہیں اگر

دے کے متاعِ جان بھی عہدِ وفا کریں وفا
مجھ کو وہ جانچ لیں کہو اُن کو نہیں یقیں اگر

دھیانِ ملائمت ہے فرض آہٹِ پا نہ ہو کہیں
دھڑکنِ دل تھمی وہیں دل کے ہوئے مکیں اگر

ناز ہے اس قدر تجھے مہرۂ خاک پر بشر
جاؤ گے تم مگر کہاں تنگ ہوئی زمیں اگر

تجھ کو نہیں ہے ڈر کہ اِک آہ میں ہے بساطِ عجز
نالہ ہلا دے ساقِ عرش خاک پہ ہو جبیں اگر

○

گو بارہا وہاں بھی مینا و جام آیا
اُس بزم سے ہمیشہ میں تشنہ کام آیا

کچھ تو گزر گیا ہے تھوڑا ہی رہ گیا ہے
پر یاد اِس سفر میں وہ گام گام آیا

رُک سی گئی ہے اک جا آگے چلے نہ پیچھے
یہ زیست میں ہماری کیسا مقام آیا

ہوتی ہے اک منادی دستورِ عشق پلٹا
پر سر کٹا چکے تھے جب اِذنِ عام آیا

کچھ بدلیوں کے پیچھے رُخ چاند نے چھپایا
کل رات بزم میں جب ماہِ تمام آیا

ازخود ہی انگلیاں وہ دانتوں تلے دبیں سب
محبوب میرا جب بھی بالائے بام آیا

وہ دھارِ تیغِ ابرو رکھ کر ملن کو آیا
گویا کہ خون کرنے وہ بے نیام آیا

اُس سے نہ جانے کیا تھا سالکؔ کا رشتہ یارو
جو پھوٹ پھوٹ رویا جب اُس کا نام آیا

○

گرے فریفتہ ہو کے تری نظر کے سحر سے
اٹھے نہ پھر ہوئے جو مست اک نگاہِ مہر سے

ہوں ناسپاس تو نہیں مرے کشندہ میں ترا
کہ مل گئی حیات کو دوام تیرے زہر سے

علاقہ ہے تری جفاؤں کو مری وفا سے وہ
رہی ہمیشہ بوند کو مناسبت جو بحر سے

سدا رہا ہے عصرِ نو خواصِ نو کا مقتضا
ہے آدمی اسیرِ وقت ابتدائے دہر سے

پہاڑ کھودنے سے پہلے سوچ لینا یہ ذرا
نہ فیض پا سکا کوئی بھی کوہ کن کی نہر سے

یہ کہہ کے دے رہا ہوں حوصلہ دلِ شکستہ کو
نہیں ہے سورما کوئی بچا جو اُن کے قہر سے

صلاح دے رہے ہیں فکرمند دوست یہ مجھے
بنا رکے گزرنا ان ستمگروں کے شہر سے

گھٹا کو آہِ سوزاں نے بسوئے دشتِ دل ہانکا
ہوئی ٹھنڈی نہیں آتش اگرچہ ابر نے ڈھانکا

نہیں نقصاں ہوا کچھ بھی عدو کی سنگباری سے
لگی پر چوٹ اُس گُل سے مجھے جو دوست نے پھینکا

گلہ ہو آندھیوں سے کیا مرے گھر کے چراغوں کو
بجھانے کو ہُوا وافر ہَوا کا ایک ہی جھونکا

تھکن تھی زیست کی ایسی کہ سویا خوابِ غفلت وہ
بجا جو صور محشر کا وہ بے حس تھا نہیں چونکا

تھی کیا توقیر ہی تیری بتا اے طور اس سے قبل
ہوا افضل تجھے جب ایک برقِ نور نے پھونکا

مقدر ہے یہی میرا ہوا مجھ کو اڑا دے اور
جو رو گزرے تو بہہ جاؤں کہ ہوں میں گھاس کا تنکا

کہو ان کو نہ چھیڑیں آج ان پارینہ زخموں کو
کہیں ایسا نہ ہو پھر ٹوٹ جائے زخم کا کانٹا

اندھیرا چھا گیا ہر سُو وہ پلکیں جب جھکیں سالکؔ
عمق دیکھا سمندر کا جو آنکھوں میں کبھی جھانکا

○

غمِ فرقت سے چھٹکارا نہیں اب دل گرفتہ کو
نہیں فرصت ملے جب تک بدن سے جانِ خستہ کو

نہ جانے کیا ہوئے وہ دن گزارے ساتھ جواُن کے
بہت یاد آئے جب وہ تو صدا دی عمرِ رفتہ کو

نہیں ہو آرزو کوئی سوائے نیستی کے جب
بتائے کون پھر تعبیرِ ہستی صیدِ بستہ کو

کسی کا دل دکھاؤ تو یہ پہلے سوچ لینا تم
نہیں واپس کبھی بھی کوئی لایا تیرِ جستہ کو

تغافل دیکھتا ہوں میں پرانے دوست یاروں میں
دھواں بھی چھوڑ دیتا ہے اکیلا شمع کشتہ کو

اٹھا جب زندگی میں ہی نہیں تو پھر تعجب کیا
نہیں شورِ قیامت نے جگایا بختِ خُفتہ کو

لکھے کو تم نہیں برداشت کر سکتے اگر سالکؔ
مٹا دو گر مٹا سکتے ہو قسمت کے نوشتہ کو

○

گھاؤ جگر کے دیکھے تو بیشمار نکلے
دل کو ٹٹولا جب تو شکوے ہزار نکلے

سرمایہ زندگی کا دیکھا جو کھول کر آج
کچھ تھیں پرانی یادیں کچھ دوست یار نکلے

حُوروں کی آرزو میں مسجد کو چل پڑے سب
کل رات میکدے سے جب بادہ خوار نکلے

مقتل میں کل جو میں نے دیکھا نظر اُٹھا کے
مارے جنہوں نے پتھر سب دوستدار نکلے

میخانے ہم گئے تھے مدہوش ہونے کو پر
لعنت ہو مفلسی پر ہم ہوشیار نکلے

آلودہ ہو گئے ہیں پاؤں مرے لہو سے
رستے تھے عشق کے جو سب خاردار نکلے

اُن کے وہ تیرِ مژگاں ہوتے نہیں خطا اب
برسائے تیر جتنے سب آر پار نکلے

تُو ہی ہدف نہیں صرف ظلموں کا اُن کے سالکؔ
جتنے بھی دل وہاں تھے سب ہی فگار نکلے

○

ہے لاعلاج ترا مرض عشق کے بیمار
کہا بھی تھا کہ نہ رکھنا قدم یہاں زنہار

اسیرِ دامِ خمِ زلف دے رہا ہے دعا
رہے مدام پریشان زلفِ عنبربار

کہو کہ روزِ قیامت تو ہو گا اُس دن ہی
کہ جب بھی میری تمہاری نظر ہوگی دوچار

عزیز ہو گئی ہے ہم کو تو اسیری بھی
ہوئے ہیں جب سے گرفتارِ کاکلِ خمدار

گزر رہی ہے مزے میں یہ زندگی یارو
ہے شوقِ آبلہ پائی تو راہیں ہیں پُرخار

بہت ہے ناز انہیں زورِ تیرِ مژگاں پر
کہ میرے قتل کو آتے ہیں آج بے تلوار

نکالنے دو انہیں آج اپنے دل کا بخار
کہ دیر بعد اکٹھے ہوئے ہیں پھر میخوار

جنوں کا اہلِ خرد قمع کر رہے ہیں پھر
سنائی دے رہی ہے بیڑیوں کی اک جھنکار

○

ہے دامنِ آلودہ تر عرقِ ندامت سے
اک گھونٹ کا سائل ہوں میں جامِ عنایت سے

تعزیرِ جنوں ٹھیرا زندانِ فراموشاں
فرمان ہوا جاری دیوانِ عدالت سے

ہاں زخم لگے مجھ کو کچھ تیغِ برہنہ سے
پر ضرب لگی مہلک اک تیرِ ملامت سے

دیکھو بتِ کافر کی کرتا ہے پرستش جب
زاہد کو فراغت ہو مسجد کی امامت سے

محبوب کے چہرے سے جب پردہ اٹھایا تو
اک قہرِ قیامت تھا ماقبل قیامت سے

امیدِ وفا اس سے ہو دستِ اجل میں جو
آزاد مجھے کر دو اب بارِ امانت سے

قاصد سے کہا دینا پیغام محبت کا
جب جانِ تمنا کو فرصت ہو عداوت سے

○

بارہا خود ہی اٹھے جب بھی لگی ٹھوکر کوئی
بارہا گرتے ہی کیوں ہوتا اگر رہبر کوئی

آرزو تھی حالِ دل اپنا سناتا میں انہیں
پر کروں تو کیا نہیں ملتا ہے نامہ بر کوئی

شام کے ڈھلتے ہی لوگوں نے گھروں کی راہ لی
پھرتا کیوں آوارہ جو ہوتا مرا بھی گھر کوئی

پھر کسی کی یاد نے انگڑائی لی دل میں مرے
کر رہا ہے پھر بپا اک شورشِ محشر کوئی

آتشِ عشقِ بلا دل میں جلے اس آس میں
دیکھ لے شاید کبھی تو جھانک کر اندر کوئی

ہو بھلا آنکھوں کا ہیں یہ باعثِ افشائے راز
کیوں اٹھائے سر پہ اب احسانِ پردہ در کوئی

وہ نہیں ہے دور دن پھر جب ملیں گے ہم کہیں
ایک سرگوشی کرے ہے کان میں اکثر کوئی

○

ہے شکستِ آرزو زندگی کی داستاں
چار موج گر نہیں تو ہے برقِ آسماں

تھا وہی عدوئے جاں بن گیا جو حرزِ جاں
آنکھ کے اشارے پر وار دی متاعِ جاں

باندھتے ہو آس پر سوچتے یہ کیوں نہیں
کب رسا ہوئی کہ اب ہو گی آہِ عاشقاں

بامراد ہو گیا اک سیاہ کار بھی
ملتفت ہوئی اگر اک نگاہِ مہرباں

بس یہی ہے آرزو بندۂ خدا کی اب
ہو مری جبین اور تیرا سنگِ آستاں

اک شبِ فراق میں ہم نے پھر سجا دیا
قطرہ قطرہ خون پر نقشِ یادِ رفتگاں

آس زندگی کی ہو کیوں اسے کہو ذرا
گھونسلے سے گر گیا کل جو صیدِ ناتواں

حوصلہ ہوا مجھے قافلہ نہیں ہے دور
آ گیا نگاہ میں جب غبارِ کارواں

اُن کی رہنمائی کو گم ہوئے جو راہ سے
چھوڑ آئے نقشِ پا ہم گئے جہاں جہاں

○

ہے حکم سرِ شام آج شمعوں کے بجھانے کا
ہے ایک طریقہ یہ اشکوں کے چھپانے کا

کیوں حالِ دلِ تفتہ ظاہر ہو ستمگر پر
کیوں دوں میں اسے موقع اور لطف اٹھانے کا

محبوب بھی ظالم تھا کچھ ایسی تھی قسمت بھی
تھا شوق ہمیں بھی پر کچھ خون بہانے کا

آئے نہ یہاں کوئی خلوت میں مخل ہونے
ہاں وقت ہوا ہے اب سب نقش مٹانے کا

کرتا ہے مجھے مجبور جینے پہ زمانہ کیوں
کب میں نے اٹھایا تھا احسان زمانے کا

پہلے تو نہیں تھا دل نادان کبھی اتنا
سمجھا ہی نہیں مطلب نظروں کے جھکانے کا

دوں گا نہ کبھی بھی میں اب درسِ وفا اُن کو
کچھ شوق نہیں مجھ کو سر اپنا کھپانے کا

○

ہو کوئی تو چارہ گر اِک نگاہِ بسمل کا
چاک کر دے پردہ ہی ہو سکے تو محمِل کا

خاک میں پڑا ہو گا پا تلے رُلا ہو گا
گم ہوا ہے کب سے ہی پوچھتے ہو کیا دل کا

مانگتا رہا دل وہ مر گیا نہ پایا جب
پھر کبھی نہ رد کرنا تم سوال سائل کا

مارنے کو آتا ہے وہ بغیر خنجر کے
دیکھنا ذرا تم بھی جوش میرے قاتل کا

جا رہا ہوں بِن جانے منہ اٹھائے بس یونہی
کچھ بھی تو نہیں معلوم مجھ کو اپنی منزل کا

مدّعا کروں کیسے سامنے بیاں اُن کے
مجھ کو بھی بتانا گر حل کوئی ہو مشکل کا

یاد ہے مجھے اب بھی دیکھ کر تجھے سالکؔ
ڈگمگانا قدموں کا جھنجھنانا پائل کا

○

ہو اگر نہ دل میں تو کیا کروں بہار کا
حال ہے برا بہت اب دلِ فگار کا

ناز تھا جسے بہت اپنے حسن پر کبھی
وہ شکار ہو گیا اپنے ہی شکار کا

ظالمو ہوا ہے کب پہلے جو ہو اب اثر
زخم خوردہ لوٹتی کونج کی پکار کا

خاک جس زمین کی بوئے خوشگوار ہے
ہو کوئی سنائے جو حال اُس دیار کا

مدتوں کے بعد بھی گمشدہ جو مل گیا
سحر تھا یہ باپ کی چشمِ اشکبار کا

وحشتِ جنوں کو پھر شوق درد کا ہوا
ڈھونڈتا ہے پھر یہاں رستہ خارزار کا

سوچتا ہوں میں کبھی تھا نصیب میں نہیں
سینے پر بکھرنا اس زلفِ مشکبار کا

ہے شکایت کہ تغافل ہی رہا شیوہ ترا
حوصلہ کس کا ہے لیکن کہ کرے شکوہ ترا

تابِ خورشید ہوئی لابُدی ہریالی کو
ربطِ اجزائے جہاں میں ہے چھپا جلوہ ترا

کیا کہو گے کہ حریصانِ کرشمہ نے گر
حشر کو موردِ الزام کیا عشوہ ترا

ٹوٹتے ہوں گے کئی عہدووفا ہر دن پر
تھا کسے علم کہ تبدیل ہو گا قبلہ ترا

آ گیا چین مجھے دیکھ لیا میں نے جب
کل لبِ بام پہ وہ ہوش ربا چہرہ ترا

میں تجھے دیکھ سکوں بھر کے نظر کاش کبھی
یہ حیا میری نظر کی ہو گئی پردہ ترا

عہد شکنی کی شکایت جو کریں تو کس سے
کیا وفا پہلے کبھی تُو نے کیا وعدہ ترا

ہمیں بھی ملی پھر نہ ملنے کی فرصت
ہوا جب سے راحت فزا رنجِ فرقت

چھپاتا رہا اشک جو زندگی بھر
وہ کیوں آبدیدہ ہوا وقتِ رخصت

نہ آیا میسر مجھے وصلِ معشوق
مری زندگی کی ہمیشہ تھی حسرت

چرا لی نظر اِس طرف دیکھ کر پھر
کبھی بزم میں گر ہوا ذکرِ الفت

نہیں متّفق نام پر ہی ابھی تو
کہوں عشق میں تو کہیں اُس کو وحشت

بلایا جو اک آخری بار اُن کو
کہا دیکھ لوں گا ملی جب بھی فرصت

تعلق رہا ہے وہی اُن سے سالکؔ
ہمیشہ رہی خار و گل میں جو نسبت

○

ہم گرفتارِ وفا ہیں تو ستم ایجاد وہ
کاش ہوتے ہی نہیں دل میں مرے آباد وہ

داستاں اپنی مجھے وہ کب سنانے دیتے ہیں
نام آئے گا انہی کا گر سنیں روداد وہ

پھر ستاؤں گا نہیں تم کو کبھی وعدہ رہا
ہر جفا کے بعد کرتے ہیں یہی ارشاد وہ

بس گزر جائیگی اب بھی پہلے بھی تو گزری ہے
کب سنی ہے جو سنیں گے اب مری فریاد وہ

پھر نہ وہ اپنی رہائی کا کبھی لائے خیال
صید کی قسمت میں لکھا ہو اگر صیّاد وہ

وہ بدن کی قید سے بھی پھر رہا ہو جائے گا
اس اسیرِ عشق کو کر دیں اگر آزاد وہ

سامنے سب کے تو کرتے ہیں تغافل وہ مگر
فرصتِ خلوت میں سالکؔ کو کریں گے یاد وہ

○

ہے سکوں محبوب کی دل بستگی میں دوستو
نفس کا ہے کام ہی کیا بندگی میں دوستو

آنکھ میں کاجل نہیں رخسار پر غازہ نہیں
حسن تو دیکھو ذرا اس سادگی میں دوستو

ڈھونڈتے ہیں لوگ تو تاریکیاں ہی ہر جگہ
ڈھونڈتا ہوں روشنی میں تیرگی میں دوستو

حسرتِ دیدار میں دل خون روتا ہے مرا
پھر رہا ہوں کب سے دشتِ تشنگی میں دوستو

تختِ گل کی آبیاری ہو گئی خوں سے مرے
تو ہوئی بیشی گلوں کی تازگی میں دوستو

اب رہی حاجت نہیں توضیح کی مجھ کو کبھی
ہے بہت آرام اس آشفتگی میں دوستو

ڈھونڈتا ہے چین پر پاتا نہیں سالکؔ کہیں
خصلتِ سیماب پائی زندگی میں دوستو

○

ہے شکایت اِدھر نہیں آتے
آپ بھی تو مگر نہیں آتے

ہو ابھی راہِ عشق میں انجان
لوگ یاں بیخبر نہیں آتے

ایک کٹیا بنا لی جنگل میں
کیونکہ یاں نامہ بر نہیں آتے

آنسوؤں کو کہیں چھپا دو اب
وہ پسِ چشمِ تر نہیں آتے

رہنے دو تم مجھے قفس میں ہی
جب تلک بال و پر نہیں آتے

عشق کے راستے نہیں آساں
اِن میں کوئی شجر نہیں آتے

دل و مژگاں کا معرکہ ہو گرم
تو وہاں بے خطر نہیں آتے

○

ہوں چشم ایک پُرنم میں درد ہوں مجسّم
دعویٰ کرے کوئی تو ہونے کا ابنِ مریم

دینے کے بعد سب رنج اُن کو نہیں تاسّف
میری دعا ہے وہ بھی دیکھے کبھی شبِ غم

اُس فتنۂ جہاں میں یہ حسن سادگی کا
وہ آنکھ کی مروّت وہ زیرِ لب تبسّم

اک جنبشِ مسلسل ہے نام زندگی کا
کہتے ہیں موت جس کو ہے اک جمودِ پیہم

لگتا ہے دوست سب ہی اب ہو گئے ہیں دشمن
کوئی نہیں جو رکھ دے زخموں پہ ایک مرہم

اک یاد نے ستایا پھر رات بھر جگایا
پڑتی رہی گلوں پر پھر آج رات شبنم

مدّت گزر گئی ہے دیکھا نہیں اسے جو
ہونے لگے ہیں اب تو رُخ کے نقوش مبہم

جس کو نہیں یہ معلوم آخر ہے چیز کیا غم
جانے گا کیا بھلا وہ تاثیرِ لذّتِ غم

○

حکم یہ جاری ہوا کر دو اسے سنگسار
آنکھ کے ایما پہ اب سانس کا دارومدار

صبح ازل ابتدا شامِ ابد انتہا
سرحدِ ادراک سے ہے پرے اے کردگار

کیا ہوئے جو دوست تھے کس کو کہیں حالِ دل
ڈھونڈ لو ناصح کوئی ملتے نہیں غمگسار

آتے ہیں دن یاد وہ ساتھ ٹہلتے تھے جب
جانے کہاں کھو گئے رہ گئے نقش و نگار

پوچھنے آئے نہیں ہم ہوئے بیمار جب
منّت و احسان کے ہم نہ ہوئے زیرِ بار

چھا گئی خودرفتگی پھر نہ رہا کام کا
جب بھی وہ تیرِ نظر دل کے ہوا آر پار

میں نے کہا آج پھر بات کریں پیار کی
تو کہا ماحول ہے آج نہیں سازگار

جانے ہے کس سوچ میں اپنی ہی دنیا میں گم
چھیڑو نہ سالکؔ کو آج کرنے دو سوچ و بچار

○

اک نئی سحر کی وہ لو لگائے آ گئی
شانے پر صلیب اک خود اٹھائے آ گئی

عمر بھر کیا ترا انتظار اے قضا
جب رہی نہ آس تو بن بتائے آ گئی

گاہِ عام تو نہیں دل مرا کہو اسے
جو بلاجواز ہی منہ اٹھائے آ گئی

ہوش دنگ ہو گئے شام ایک خوبرو
جب مئے نشاط سے رُخ سجائے آ گئی

ہم بلاتے ہی رہے آئے وہ نہیں مگر
موت ہی بھلی رہی بن ستائے آ گئی

اپنے حسن پر جسے تھا بہت غرور وہ
آج اک اشارے پر سر جھکائے آ گئی

عمر بھر پھرا کیے تھک گئے تو سو لیے
راستے میں جس جگہ جو سرائے آ گئی

○

اس جہاں میں ہے کسے غم سے مفر
ہے مگر کس کو یہاں کل کی خبر

اُٹھ گئے لوگ یہاں سے کیا کیا
رونقِ بزم ہوئی کم نہ مگر

خوش تھا وارستہ ہوا غم سے پر
کر دیا عشق نے پھر دست نگر

لوگ وہ تنگ نظر نکلے بہت
ہم سمجھتے تھے جنہیں اہلِ نظر

جب ملا موت کا پروانہ تو
پاس تھا کچھ بھی نہیں رختِ سفر

اختتامِ شبِ ظلمت جانا
جب کیا شمع نے اعلانِ سحر

آتشِ عشق جو بھڑکائی تھی
بیٹھ کر دیکھیے اب رقصِ شرر

تھا جو مسجودِ ملائک اک روز
آج معتوب ہے وہ نوعِ بشر

ہے کٹھن دن کا گزرنا سالکؔ
ہوگئی رات تو آنکھوں میں بسر

○

جینا ہو گیا مشکل یار کے بچھڑنے سے
روکتا ہوں دل کو میں روز ہی دھڑکنے سے

سوزِ عشق سے تم بھی دل پسیج لو اپنا
انجمن کی رونق ہے شمع کے پگھلنے سے

بُوئے جامۂ یوسف لے سکوں کہیں سے میں
کور چشم ہونا تھا دید کو ترسنے سے

مدتوں سے سینے کے راز ہائے سر بستہ
آج ہو گئے افشا آنکھ کے چھلکنے سے

ہے ثباتِ ہیجانی کیوں نہیں مقدّر میں
دل فقط بہلتا ہے کو بہ کو بھٹکنے سے

حالِ دل بتاؤں کیا اِس کو اب نہیں ملتا
جو سرور پاتا تھا چاندنی نکھرنے سے

چہرے سے نقاب اٹھا صبح ہو گئی روشن
جھومتی گھٹا آئی زلف کے بکھرنے سے

○

ہوئی مدہوش خلقت چشمِ ساقی کے اشاروں پر
مگر الزامِ مستی جب لگا تو بادہ خواروں پر

صدائے درد تھی آہ و فغاں تھی گریہ زاری تھی
ذرا پوچھو تو کیا گزری شبِ فرقت کے ماروں پر

کہیں غمزہ کہیں عشوہ کہیں ناز و ادا یارو
کہیں چشمِ عنایت نے کیا جادو ہزاروں پر

مقدر ہے انہی کے واسطے فیروز مندی یاں
کمندیں ڈالنے کی ہو جنہیں عادت ستاروں پر

نگاہِ شوق پر موقوف ہو جینا و مرنا تو
گزرتی ہو گی کیا اس چشم کے امیدواروں پر

ادھوری رہ گئیں جب سب تمنائیں تو پھر سوچا
چلو چادر چڑھاتے ہیں بزرگوں کے مزاروں پر

کھِلے گر پھول اب کے بھی نہیں تو پھر شکایت کیا
کیا تھا ہم نے پہلے کب بھروسا اِن بہاروں پر

○

ہوا جو آہِ جگر کا اُلٹ اثر تو کیا
پڑی نہ نظرِ عنایت اگر ادھر تو کیا

ہوئی ہے ختم دلِ زار کی پریشانی
ہوئے جو ذوقِ تجسس میں دربدر تو کیا

میں ناسپاس نہیں زخمِ آشنائی کا
بلاکشانِ محبت ہوئے اگر تو کیا

اسی بہانے تجھے یاد کر لیا ہم نے
ہوئی نہیں شبِ فرقت کی گر سحر تو کیا

بچھا ہوا تھا کہیں دامِ حسن محفل میں
بہک گئی جو وہاں پر مری نظر تو کیا

ہوا ہوں دشت نوردی میں آبلہ پا میں
رہِ طلب میں ہوا خون گر جگر تو کیا

لگا کے یاد گزاریں گے زندگی ہم بھی
اگر نہیں ہے غمِ ہجر سے مفر تو کیا

ابھی تو خواہشِ پرواز دل میں باقی ہے
ہوئے اگرچہ شکستہ بال و پر تو کیا

ہوئی ہے صورتِ سیلاب گریۂ غم سے
ہے سیلِ اشک رواں آج چشمِ پُرنم سے

رہا ہے مجھ سے وہ خانۂ دل نہاں اب تک
کھلا نہ عقدۂ خاطر نگاہِ پیہم سے

خمار کھینچ لیا چشمِ مست سے جس نے
نہ پھر کبھی پیے گا مے وہ ساغرِ جم سے

کبھی زباں سے کوئی بات گر بہک جائے
پڑے گی ایک نگہ خشمگیں ہما ہم سے

ہوں سخت جان بہت چاہیے پیالہ اک
نہ کچھ بھی ہو گا اثر ایک جرعۂ سم سے

بری نگاہ سے دیکھا نظر پڑی جب بھی
نہ جانے کیوں ہے ازل سے مخاصمت ہم سے

کہو نہ نیک مجھے تم کہ ہوں وہی میں جو
کبھی اٹھاتا تھا حظ زنگلہ کی چھم چھم سے

وفائے عشق میں مرنا ہو کیوں اسے مشکل
لیا ہو درسِ فنا جس نے بوندِ شبنم سے

نہ راس آئی دوا کوئی مرضِ مہلک میں
اٹھا سکا نہ کبھی فیضِ ابنِ مریم سے

ہو رہی ہے بات پھر مژگانِ سایہ دار کی
دھوم ہے سارے جہاں میں زلفِ عنبر بار کی

ہاتھ میں لے کر چلا کشکولِ دل مَیں آج پھر
ڈال دے شاید کوئی خیرات اس میں پیار کی

ہو گیا ہے مشغلہ اب وقتِ فرصت کا مرا
پا برہنہ سیر کرنا وادیٔ پر خار کی

تھا وفا بیگانگی شیوہ کہ جس پر مر مٹے
دیکھنا حالت ذرا اِن عاشقانِ زار کی

ہو گئی ہے آنکھ مثلِ دیدۂ یعقوب اب
حسرتیں بر آئیں گی کب طالبِ دیدار کی

باغ میں گل برگ ہوتے ہیں ہمہ تن گوش سب
ہو رہی ہو بات جب اُس کے لب و رخسار کی

اُس کے آنے کی خبر مشہور ہے پھر سے مگر
کیوں کرے خاطر کوئی اُس خاطرِ آزار کی

شمع محفل ہی نہیں تو محفلِ عشرت کا کیا
گونجتی ہے کان میں اب بھی جھنک جھنکار کی

بارہا دہلیز تک نظریں گئیں اُس وقت بھی
سانس تھی جب آخری اُس عاشقِ بیمار کی

زہر دے ایسا کوئی آئے نہ دم پھر دوسرا
ختم کر دے زندگی جو عافیت بیزار کی

تھا تجھے اک مان سالکؔ جس دلِ آگاہ پر
چل گئی جادوگری اُس پر نگاہِ یار کی

○

اک دوسرے کا نِسیہ چکایا
اُس نے ہنسایا میں نے رلایا

کعبہ گئے تھے ڈھونڈیں خدا کو
لوٹے تو اپنے دل میں ہی پایا

کہنے لگے وہ دیکھے بہت ہیں
زخمی یہ دل جب اپنا دکھایا

جس نے کبھی بھی پی ہی نہیں تو
کیوں اُس سے پھر سر اپنا کھپایا

ترکِ وفا کی جب ٹھان لی تو
پھر آج مجھ کو کس نے ستایا

سب دیکھتے تھے اُس نے مجھے جب
حرفِ مکرر کہہ کر مٹایا

تھی وضع داری قاتل کی میرے
ہتیا سے پہلے مجھ کو سجایا

رہنا نہیں اب یارب مجھے یاں
دنیا تری ہے ظالم خدایا

رہتے ہیں تنہا پردیس میں ہم
ہے کون اپنا کیسا پرایا

غم کا فسانہ اور بھی بہت ہے
اُس کے سوا جو ہم نے سنایا

تھے تو بہت پر اُس پر گری برق
اک گھونسلہ جو ہم نے بنایا

شاید اسی کو کہتے ہیں الفت
اک ہی نظر میں دل میں سمایا

سب کو نشہ ہے اُس اک نظر کا
تم نے ہمیں آج یہ کیا پلایا

اپنے ہی گھر کے رستے میں سالکؔ
ہم نے دیا اک ہر شب جلایا

○

اک جہان کو مارا شوقِ بزمِ خوباں نے
جان لی ہماری پر عذرِ عہدوپیماں نے

پوچھیے ذرا اُن سے گر وکیل ہو درکار
سنتے ہیں کی ہے نالش کشتگانِ مژگاں نے

آپ کی جفاؤں کو اب نہیں سہیں گے وہ
توڑ دی ہیں زنجیریں بندِ پابجولاں نے

نیست ہوگئیں جو وہ ہستیاں ہوں گی کیا کیا
خاک سب کو پہنا دی انقلابِ دوراں نے

ایک حسنِ بے پرواہ ایک شوقِ بے بہرہ
زیست کو کیا برباد عندلیبِ ناداں نے

دوست یار سب کے سب ایک سے نہیں ہوتے
کچھ سبق سکھائے ہیں ہم کو قیدِ زنداں نے

آ لیا ندامت نے سوختہ پڑے تھے جب
شب گزاری رو رو کر نیرِ شمع سوزاں نے

زندگی کی تنہائی کچھ کٹھن نہیں سالکؔ
اب سکھا دیا جینا ہم کو دشتِ ویراں نے

○

عشق کا تو پڑھا نہیں ہم نے کبھی سبق کہیں
ہے یہ بجز وفا کے کیا اس میں نہیں ادق کہیں

وقت رہے نہ ایک سا دل سے نکال یاس اب
گر ہے افق پہ اک گھٹا تو ہے یہیں شفق کہیں

مجھ پہ نہ اور ظلم کر سہنے کا اب جگر نہیں
چھوڑ مجھے کہ زیست کی مجھ میں نہیں رمق کہیں

جسم میں عصبِ انفعال اُس کے نہیں ہے ایک بھی
ظلم کا تو ذرا نہیں اُس کو مگر قلق کہیں

پیار تو کرتے ہیں مگر کرتے نہیں عیاں اسے
فکر انہیں یہی رہے لوگ کریں نہ دق کہیں

آج میں راہِ زیست پر مڑ کے جو دیکھتا ہوں تو
آئے نظر لہو کہیں تو ہے پڑا عرق کہیں

دشتِ گماں کو چھوڑ کر ارضِ یقیں کی سیر کر
تا ہو سعی نہ رائیگاں سالکؔ وصلِ حق کہیں

○

عشق نہ ہوتا اگر خدا بھی نہ ہوتا
حقِ پرستش کبھی ادا بھی نہ ہوتا

نظرِ عنایت کی گر ہوتی نہ توقع
تیری گلی میں کوئی گدا بھی نہ ہوتا

حال نہ پوچھو نگاہِ ناز کا دل پر
کم پہ مگر اس سے اکتفا بھی نہ ہوتا

گر وہ چھڑکتے نمک نہ زخم پہ میرے
دردِ جگر دوستو سوا بھی نہ ہوتا

چھوڑ گیا یادگار اپنی مسافر
اُن کو یہ حسرت کہ نقشِ پا بھی نہ ہوتا

دیتے وہ الزامِ بیوفائی تمہیں ہی
تم نے کبھی کچھ اگر کیا بھی نہ ہوتا

جاتی اگر اطلاع میری اجل کی
تو انہیں افسوس اِک ذرا بھی نہ ہوتا

○

امروز کا مجھے غم آئندہ سے ہوں نومید
تم میں نہیں کوئی اب جس کو کہیں صنادید

پھولوں کی اشک شوئی کرنے کو پرتوِ خور
اک دور کی جگہ سے آیا بحکمِ خورشید

تم پر ہوئی جو نالش ہے اُس کی روبکاری
الزام ہے جفا کا تم پر ہے بارِ تردید

جب بزم سے اٹھایا مجھ کو رقیب نے تو
اک رمزِ چشم سے اس طنّاز نے کی تائید

منت بہت کی لیکن مانا نہیں وہ بالکل
دربان جو کھڑا تھا نکلا بہت ہی بے دید

لڑنا نہ تھا مناسب خاموش ہو گیا میں
ہر بات پر مری جب کرنے لگے وہ تنقید

تھا مدّعا سنانا اُن کی جفا کے قصّے
محفل سے اُٹھ گئے وہ باندھی ابھی تھی تمہید

ہم نے معاف کر دیں سب آپ کی جفائیں
آئیں کہ اب کریں ہم پھر سے وفا کی تجدید

سالکؔ نے جب کیا کل آئینہ سامنے تو
کچھ جھینپ کر وہ بولے ہے حسن قابلِ دید

○

اک زخم ہوا تازہ اک درد فراواں ہے
پھر آج مرے دل میں اک شمع فروزاں ہے

بس اور نہیں رہنا دنیائے دنی میں اب
ہر شخص جو زندہ ہے وہ دست بداماں ہے

چہرے پہ تبسم ہے آنکھوں میں چمک اُس کی
اس شان سے مقتل کو یہ کون خراماں ہے

گل ہوگئیں سب شمعیں رخصت ہوئے پروانے
دیکھو تو مرے گھر میں اب شامِ غریباں ہے

محتاج ہوا مختار تو شاہ ہوا مفلس
آتا ہے وہی در پر جو بے سروساماں ہے

پھر رقصِ شرر سے آج مقتل کو سجایا ہے
مدعو ہوئے پروانے اک جشنِ چراغاں ہے

لگتا ہے خبر کوئی آئے گی بری سالکؔ
دل میرا نہ جانے کیوں پھر آج پریشاں ہے

○

اک زخم جو لگایا تم نے بہت جتن سے
لذّت بہت اُٹھائی اُس کی کڑی چبھن سے

ہیں اور بھی بہت یاں بیٹھے ہیں زخم کھائے
ہے کون جو بچا ہو اُس چشمِ پُرفتن سے

سینے میں میرے کوئی اک آگ تو لگا دے
تا دودِ آہ نکلے مثلِ دھواں اگن سے

کمبخت ہے بہت وہ جس نے کیے ہوں سجدے
پھر بھی نہ بچ سکا ہو جو رنجشِ سجن سے

گوشہ نشیں ہوا ہوں جلوت سے تنگ آ کر
آنا نہ پاس میرے مر جاؤں گا گھٹن سے

مرنے سے قبل دیکھوں اک بار پھر وطن کو
مدّت ہوئی ہے اب تو نکلا تھا جب چمن سے

دیکھا حسین ایسا بولے نہیں کبھی بھی
جب شام کو چمن میں پوچھا گل وسمن سے

اک آتشِ جنوں ہے دوڑے ہے جو لہو میں
مجھ کو نہیں ڈراؤ تم آگ کی جلن سے

ہستی کو بھی مٹا کر ظلمت کو نیست کرنا
سیکھا یہی ہے ہم نے اک شمع ضوفگن سے

گاڑو جہاں مجھے تم پُرخار ہو زمیں وہ
بس دیکھنا کہ پاؤں باہر رہیں کفن سے

چھیڑو نہ تم مجھے اب آرام چاہتا ہوں
اب چُور ہو گیا ہوں میں زیست کی تھکن سے

ہے شام آخری یہ آؤ کہ دل کی کہہ لیں
ضائع نہ شام کرنا ماتھے کی اک شکن سے

کیوں بات تیری مانوں ایسی ہی اک خطا پر
سالکؔ کیا گیا تھا بے دخل تُو عدن سے

○

اک سیاہ رات میں رنج سب چھپا دیے
عشق کے شرار سب راکھ میں دبا دیے

ہو گیا وہی مگر پہلے جو ہوا نہیں
دیکھ کر مری طرف آج مسکرا دیے

مدعی جنوں کے تھے پر یہ تو کہیں ذرا
مصلحت تلے کئی شوق کیوں دبا دیے

تھے عزیز جو مجھے جاں سے بھی سوا کبھی
آج وہ پرانے خط پڑھ کے پھر جلا دیے

کب رہِ وفا پہ وہ آئے تھے کہ آئیں گے
جانتا تو ہوں مگر راستے سجا دیے

چھید اس قدر ہوئے دل کی اب قدر کہاں
مشتری ملا نہیں دام بھی گرا دیے

دل پہ بوجھ تھا بہت جب گیا چمن کو میں
کھول کر قفس طیور سب کے سب اڑا دیے

آئے گا نہیں یہاں بن بلائے اب کوئی
دل کے در پہ پاسبان آج پھر بٹھا دیے

راہ دیکھنے لگے باؤلے کی سب بزرگ
بدقماش لڑکوں کو سنگ جب تھما دیے

○

تھا اِس قدر کبھی نہیں نازک مزاج تُو
کرتا ہے بات بات پہ اب احتجاج تُو

کیوں ڈھونڈتا ہے چارہ غمِ عشق کا دگر
کیا جانتا نہیں یہ کہ ہے لاعلاج تُو

دکھ بانٹتا نہیں ہے کسی کا کوئی یہاں
کیوں توڑتا ہے شہرِ فتن کا رواج تُو

دوں گا نہیں میں دوش تجھے اے دلِ حزیں
رو لے غمِ جدائی میں جی بھر کے آج تُو

آنسو بہانے کا ہے نہیں فائدہ کوئی
اُٹھ کرتا کیوں نہیں ہے کوئی کام کاج تُو

احساں کوئی نہیں ہے ترا مجھ پہ زندگی
کس شے کا پھر یہ مانگ رہی ہے خراج تُو

پوچھے کوئی جو تجھ سے مرا حال گر کبھی
رکھ لینا میرے پیار کی چپ رہ کے لاج تُو

○

اس آتشِ خموش میں تاثیر بھی نہیں
اور وصلِ یار کی کوئی تدبیر بھی نہیں

ناوک فگن جراحتِ دل بھر گیا مگر
ترکش میں تیرے آج کوئی تیر بھی نہیں

دی زندگی طویل مجھے اِس قدر تو کیوں
حالانکہ تھا میں موردِ تقصیر بھی نہیں

ہاتھوں سے باگ چھوٹتی ہے رخشِ عمر کی
اور اس کے تھامنے کو عناگیر بھی نہیں

کم بخت نے زبان پہ قدغن لگا دیا
گرچہ اسیرِ حلقۂ زنجیر بھی نہیں

بے آبرو ہوا میں سر بزم آج پھر
ہرچند تھا میں لائقِ تعزیر بھی نہیں

تقدیر میری کاتبِ تقدیر نے لکھی
پر تھا مرا کوئی دمِ تحریر بھی نہیں

گردوں میں نقشِ درد کو سورج پہ مرتسم
گو میرے پاس خامۂ تصویر بھی نہیں

پوچھوں پتا میں گھر کا تو کس سے بھلا یہاں
اس گھر کی راہ میں کوئی رہگیر بھی نہیں

کرتا ہے قتل جنبشِ ابرو سے آج پھر
دستِ کشندہ میں کوئی شمشیر بھی نہیں

○

عشوہ گری تمہاری ہے مقتضائے عادت
برپا کرے ہے دل پر لیکن یہ اک قیامت

اِس توشۂ سفر پر تُو ڈال اک نظر تو
دل کی مرے مسافر لے جا رہا ہے راحت

اترا نہیں نشہ وہ نظروں سے جو چڑھا تھا
ساغر کے کھینچنے کی مجھ کو نہیں ہے حاجت

پھر سے بہار آئی پھر یاد نے ستایا
دل میں ہوئے ہیں خندہ گلہائے زخمِ فرقت

وہ آخری نظر تھی مرنے سے پہلے اُس کی
بھولوں نہ میں کبھی وہ دردِ نگاہِ حسرت

آسان کب ہوئی ہے یہ راہِ شوق پہلے
لائے گی رنگ اک دن میرے جنوں کی وحشت

جاناں تجھے تصور تب سے نہیں کیا ہے
جس روز سے ہوئی تھی خود سے مجھے عداوت

○

جانے کیا ہوا اِسے آج بیقرار ہے
دل کے درد پر بھلا کس کو اختیار ہے

اک لہو کی بوند کل باغ میں پڑی ملی
تو سمجھ لیا کہ اب آمدِ بہار ہے

سانس تو نکل گئی آنکھ پر کھلی رہی
بعدِ مرگ بھی مجھے اس کا انتظار ہے

تھا جو شخص اک یہاں کون تھا کہاں گیا
جب سے چھوڑ کر گیا شہر سوگوار ہے

جانتا نہیں کوئی حالِ دل مرا اگر
اک وہی ہے ورنہ تو سب پہ آشکار ہے

وہ جفاشعار ہیں ہم ہوئے جفاطلب
مستفید ظلم سے اک دلِ فگار ہے

سالکِ خراب سے پوچھتے ہیں کون ہو
جا کہے انہیں کوئی عشق کا شکار ہے

○

جب بہار آئی تو پھر داغ فروزاں ہو گئے
اس قدر اشک بہائے کہ بس ارزاں ہو گئے

کام خود ہی ہو گیا آج بداندیشوں کا
دوست ہی دوست سے جب دست بداماں ہو گئے

جب سے اس چشمِ سیہ مست نے ڈیرا ڈالا
تب سے میخانے ترے شہر کے ویراں ہو گئے

کون ہے جس نے سنے میرے وہ نالہ ہائے
ماند راتوں کی سیاہی میں جو پنہاں ہو گئے

میرے محبوب کی تسکین ہوتی تو کیونکر
ایک ہی وار میں جب خاک میں غلطاں ہو گئے

عمر بھر اُن کو یہاں سے نہ نکلنے دوں گا
بن بلائے ہی مرے دل میں جو مہماں ہو گئے

بات پر میری نہ کرتے تھے بھروسا وہ مگر
دیکھ کر حسن کو آئینہ میں حیراں ہو گئے

کیوں مرے خون کی پیاسی ہے یہ خلقت سالکؔ
جن کے قمقام مرے آنے پہ عریاں ہو گئے

○

جب نہیں پابندی کوئی ظلم کے اظہار پر
کیوں کرے تنقید کوئی لذّتِ آزار پر

کیا ہے آخر ماجرا کچھ بھی سمجھ آتی نہیں
ہم سے تو ہے بے رُخی نظرِ کرم اغیار پر

اِن جفاؤں سے بتا ملتا ہے کیا تجھ کو بھلا
کھا ترس کچھ اے ستمگر عشق کے بیمار پر

کل گئے تھے وہ رقیبِ رُو سیہ کو پوچھنے
کر لیا اقرار آخر میرے استفسار پر

چاہتا ہوں بھول جائے وضع وہ پر کیا کروں
یاد آتی ہے کبھی پازیب کی جھنکار پر

دامنِ مژگاں پہ آنسو کپکپاتا ہے اِدھر
ارتعاشِ بوندِ شبنم دیکھ نوکِ خار پر

راندۂ درگاہ ٹھیرا جب تکبّر میں بڑھا
ناز تھا جس کو بہت اپنے بتِ پندار پر

○

جانے ہوا ہے کیا جو رہتے پرے پرے ہیں
ایسا سلوک ہم سے ہم کوئی دوسرے ہیں

سامان کھیل کے سب موجود ہیں یہاں اب
ناخن بھی بڑھ گئے ہیں اور زخم بھی ہرے ہیں

ناراض ہو گئے وہ کیسے انہیں منائیں
سب سوچ میں پڑے ہیں زانو پہ سر دھرے ہیں

دھوکہ نہ کھایئے گا ظاہر نہ دیکھیے گا
خاموش ہے طبیعت دل کے مگر کھرے ہیں

دانا تو بس وہی ہے لغزش نہ پھر کرے جو
ہم عشق کیوں کریں گے گھاؤ ابھی بھرے ہیں

ایسی ہے میری قسمت دنیا مرے مقابل
مرتے ہیں لوگ جس پر اُس پر ہی ہم مرے ہیں

سالک کو دوش دینا آساں ضرور ہے پر
کرتوت اپنے دیکھیں بدنام جو کرے ہیں

○

عزتِ نفس رہی دست نگر ہونے تک
زخم مستور رہے صرفِ نظر ہونے تک

تھک گیا ہے ابھی سے راہ نوردِ شبِ غم
پر ابھی تو ہے بہت دیر سحر ہونے تک

سر اُٹھاؤں گا نہیں آج ترے در سے میں
میرے اللہ دعاؤں کے ثمر ہونے تک

چل رہا ہے جو ازل سے وہ کسے ہے معلوم
سلسلہ ایک تغیّر کا بشر ہونے تک

ایک ہی لغزشِ پا مکتفی ہے گرنے کو
بے ثباتی نہ ہو فیروز اثر ہونے تک

ساگرِ غم سے گزر تا ہے دلِ آزردہ
رنگ کھوتا ہے لہو چشم کے تر ہونے تک

کب بدوں گردشِ پیہم ملا کوئی مقصود
مشکلیں آتی ہیں مہ نو کو قمر ہونے تک

اے تن آسان مری سُن شجرِ نورستہ
آندھیاں دیکھتے ہیں ایک شجر ہونے تک

○

جھن جھن ہے زنگلہ کی یا شور سسکیوں کا
جھنکار بیڑیوں کی یا کھنکا چوڑیوں کا

بہتے ہیں اشک میرے آتا ہے یاد جب بھی
نظروں سے دور جانا افسردہ ساحلوں کا

بانگِ درا سنی تو اس سمت کو گیا پر
کوئی نشاں نہیں تھا صحرا میں قافلوں کا

آیا وہ یاد کل پھر اچھا ہوا یہ لیکن
دیکھا نہیں کسی نے سیلاب آنسوؤں کا

یہ دوریاں مٹا دو وہ قربتیں لبھا لو
رکھنا نہیں ہمیں اب یہ قرض فاصلوں کا

دیں دل کو ہم تسلّی دوری بری نہیں ہے
بڑھنا ہے پیار کا بھی اعجاز دوریوں کا

کرنے نہ آج دینا بے پردگی انہیں تم
رُخ سے نقاب اٹھنا گرنا ہے بجلیوں کا

○

جب وقتِ فراق آیا جذبات دبا لیں گے
رُخ پھیر کے سمجھے وہ اشکوں کو چھپا لیں گے

مہندی سے اگر اس نے پیروں کو سجایا تو
ہم خون کے اشکوں سے آنکھوں کو سجا لیں گے

تھا رعبِ جمال اتنا ہمت نہ پڑی ورنہ
یہ سوچ کے آئے تھے کچھ دل کی سنا لیں گے

مشکل ہی سہی جیون پر ساتھ ترا ہو تو
پہلے بھی نبھائی تھی تو اب بھی نبھا لیں گے

دل مانگ رہے ہیں ہم اے شوخ پری چہرہ
گر یوں نہ دیا تم نے تو چھپ کے چرا لیں گے

امید نہیں لیکن اب سوچ یہ رکھا ہے
گھر آپ کبھی آئے پلکوں پہ اٹھا لیں گے

پوچھو نہ ہوئی تھی کیوں سالک کو غلط فہمی
قاتل سی نگاہوں سے اس دل کو بچا لیں گے

جب سے اُس نے میرے دل میں آگ اک بھڑکائی ہے
مشغلہ اپنا تبھی سے بادیہ پیمائی ہے

گر نہیں ہے دل بسجدہ تو کسے دھوکہ دیا
اِس بنا لوگو عبث سب ناصیہ فرسائی ہے

آ پڑی ہے ایک مشکل عاشقوں کے واسطے
چشم و ابرو کے اشارے میں اگر رسوائی ہے

نرگس و سنبل ہوئے خاموش رعبِ حسن سے
آج پھر سروسمن پر بدحواسی چھائی ہے

چاہتا تھا دل شبِ مہتاب میں ہو وصلِ یار
دوستوں نے کہہ دیا یہ تو بڑی رسوائی ہے

زندگی میں اک سکوں سا آ گیا ہے اب مری
ہم نشین و ہم پیالہ اب مری تنہائی ہے

گر کسی سے راہ میں پوچھا پتا اُن کا کبھی
تو کہا لوگوں نے سن کے 'کون جو ہرجائی ہے'

پھر تمنّائے جگر ہے لذّتِ رنگِ ادا
حسن کے دیدار کو پھر سے نظر للچائی ہے

جب طبیعت وصل کے ڈر سے رہی ناساز ہی
رکھ دیا تب نام اُن کا ہم نے حیلہ باز ہی

تھی ہمیں اُمید تو نظرِ کرم کی ہی مگر
جب پڑی بھی تو فقط نظرِ غلط انداز ہی

ہے وہی دل کا سکوں تسکینِ جاں اب اور کہاں
خلق کہتی ہو اسے گو مفسدہ پرداز ہی

ہیں بہت بھرتے ہیں جو دم آشنائی کا مگر
کاش ہوتا دوستوں میں اک مگر ہمراز ہی

نام اپنا جو سنا تو اٹھ گئے محفل سے وہ
تھا ابھی تو سرگزشتِ پیار کا آغاز ہی

تیر نازو غمزہ کے تُو نے مگر پھینکے تو کیوں
گر نہ تھیں آنکھیں ترے جذبات کی غماز ہی

زیست کی پژمردگی کے اور بھی اسباب ہیں
کیوں غموں کا ہو مداوا مہوشِ طناز ہی

جو یہاں لے کے فریاد آیا
جب وہ لوٹا تو ناشاد آیا

پوچھنے آئے وہ حال میرا
جب سنا کر میں روداد آیا

آشیانہ ہوا راکھ جل کر
اک خبر دینے صیّاد آیا

ٹیس اک دل میں پھر سے اٹھی ہے
پھر اسے جانے کیا یاد آیا

تیرِ مژگاں چلاتے رہے وہ
قتل کو جب نہ جلّاد آیا

چاک داماں ابھی کر رہا تھا
بیڑیاں لے کے حدّاد آیا

غیر کے ساتھ دیکھا اسے جب
تو بہت یاد فرہاد آیا

○

جس کی قسمت میں یہاں صحبتِ دلدار نہیں
وہ بھلا کیسے کہے زیست یہ دشوار نہیں

صحبتِ رند یہاں حسن کا بازار وہاں
سب طلبگار ہیں پر کوئی گنہگار نہیں

نہ کلیسا نہ ہی مسجد نہ کہیں دیر یہاں
کوئی اُسقف نہیں زاہد نہیں اوتار نہیں

بادہ کش سب ہی اٹھے جاتے ہیں محفل سے تری
تیرے میخانے میں ساقی کوئی میخوار نہیں

سوچ کر رکھنا قدم عشق کی راہوں پر تم
راہ پُرخار ہے اور پاؤں میں پیزار نہیں

کہتے ہیں غم کے بٹانے سے کمی ہوتی ہے
پر کرے کیا وہ کہ جس کا کوئی غمخوار نہیں

شہر سے پہلے ہی رُخ موڑ لیا قافلے نے
تیرے اس شہر میں یوسف کا خریدار نہیں

نہ تو زاہد نہ ہی راہب نہ برہمن ہوں میں
ہاتھ میں سبحہ نہیں پہلو میں زنّار نہیں

○

جنہوں نے لوٹا وہ شہر کے پاسبان نکلے
ہوئے جو گمراہ دشت میں ساربان نکلے

مراد بر آئی پھر سے صحرا نورد کی آج
کہ تھا کہیں اور ہی وہ جب کاروان نکلے

دل و نظر کے مقدمہ کی تھی روبکاری
مگر دل و دیدہ دونوں ہی بے زبان نکلے

ہے عالمِ جاں کنی کو بس انتظارِ دیدار
نگہ ہمہ سوز کر ادھر بھی کہ جان نکلے

یہاں ملا جو بھی تھی شکایت زباں پہ اُس کی
فقط ہمی شہرِ یار میں خوش گمان نکلے

ہیں دوست میخوار گر تو پرہیزگار بھی ہیں
سبھی کی جیبوں سے پر خطوطِ بتان نکلے

اگرچہ انکار ہے مرے قتل سے انہیں پر
قبا پہ دھبے مرے لہو کے نشان نکلے

اٹھائی آواز جب جفاؤں پہ اُن کی جو کل
رقیب سب ہی مرے، مرے ہم زبان نکلے

بعید ہرگز نہیں کہ رہتا ہوں جس جگہ میں
وہاں سے پھر عشق کی نئی داستان نکلے

○

کبھی نہیں ہوئے پابند جو تعین کے
وہ پاسبان ہوئے کشتی کے توازن کے

کی بات کرنے کی نیّت کبھی جو اُن سے تو
ہوئی زبان مری گنگ سامنے اُن کے

مریضِ مرگ نے بھی آنکھ موند لی اپنی
کہ آ گیا تھا سکوں آنے کی خبر سن کے

نہیں تھا دشنۂ مژگاں مجھے میسر جب
جگر کے زخم تھے منّت پزیر ناخن کے

وہ چھوڑتا ہے جو اپنوں کو سوچ لے یہ بس
کھڑا رہا ہو کبھی پیڑ کوئی بِن بُن کے

جو شخص سر کو جھکائے خموش بیٹھا ہے
بنا رہا تھا نشیمن وہ تنکے چن چن کے

قبول کر لے دعائیں سبھی مری یارب
کہ گوش میرے کبھی کے ہیں منتظر کُن کے

نہیں وہ دوست تمہارے اگر کہیں بھی تو
جو غمگسار ہوئے از رہِ تفنن کے

○

کبھی کیا ذکرِ دل ستاں تو کہا غزل ہے
اٹھی پلک تو کہا یہ دیدہ نہیں کنول ہے

کٹھن ہے جینا فقط تصوّر کے آسرے پر
بجز اجل فرقتِ دوامی کا کوئی حل ہے؟

نہیں ہے توجیہہ پاس تقصیر کی کوئی پر
ندامتِ اعترافِ کوتاہیٔ عمل ہے

ہے وقتِ معلوم سے زیادہ بھی مشتبہ کچھ
مصافِ ہستی میں غیر از مرگ کیا اٹل ہے

دلِ حزیں کو تلاشِ تسکین ہے ولیکن
سکون و کلفت کے بیچ اک پردۂ اجل ہے

کیا جو اظہارِ عشق تو یوں ہوئے مخاطب
دماغ میں آپ کے یقینا کوئی خلل ہے

یہ سالکِ راہ کب سے آمادۂ فنا ہے
پلا دے جامِ عدم کہ تُو ساقیٔ ازل ہے

○

کب ہوا ہے باوفا یہ خرمنِ ہستی کبھی
زندگی کی دوڑ میں کیا زندگی جیتی کبھی

اس قدر گھبرا چکا ہے حادثوں سے دل مرا
اک ذرا سی بات پر کیوں جان ہے جاتی کبھی

دردِ فرقت سے سوا کیا درد ہو گا دوستو
جان لو گے تم اسے گر شق ہوئی چھاتی کبھی

راہ میخانے کی لی منبر سے جب فارغ ہوے
کیا کہوں اب شرم تو ان کو نہیں آتی کبھی

ہم نشیں پر میکشی کا آپ کو ہوتا گماں
دیکھتے گر آپ چشمِ یار کی مستی کبھی

کیوں اسیرِ عشق کہہ کر چھیڑتے ہو تم مجھے
تم نے کیا دیکھا بھی ہے وہ حسنِ ملکوتی کبھی

عالمِ کون و مکاں کا ہے ازل سے یہ رواج
اوج ہو گا پھر اسی کا جس کو تھی پستی کبھی

اضطرابِ زندگی ہوتا نہیں ہے کم مگر
گر غمِ الفت کبھی تو ہے غمِ گیتی کبھی

○

جو ترے شہرِ بیداد آیا
واں سے لوٹا تو ناشاد آیا

بس بھلا ہی دیا تھا اسے پر
چاند دیکھا تو پھر یاد آیا

ہم نے جانا نہیں بزم میں پھر
جو گیا واں سے برباد آیا

سلب گویائی کر لی گئی جب
لے کے آنکھوں میں فریاد آیا

آئے عشّاق جب حشر کے دن
تو مرے بعد فرہاد آیا

رو پڑے لوگ محفل میں سب ہی
جب سنا کر وہ روداد آیا

طائرِ پربریدہ کو سالکؔ
کیوں رہا کرنے صیّاد آیا

○

جو مانگتا ہے دے دو کہنا نہ کچھ گدا سے
برہم اسے نہ کرنا ڈرتا ہوں بددعا سے

ظِل کے لیے فنا ہے یکدم ظہورِ خورشید
بزدل ہے اس قدر یہ چھپتا پھرے ضیا سے

گرتے ہیں دل پکڑ کے بیٹھے ہیں لوگ یاں جو
ہلچل اُٹھی دلوں میں مژگاں کی اک ادا سے

باتوں سے روکتے ہیں سیلابِ عشق کو وہ
لگتے نہیں ہیں آگے پشتے یہ ناصحا سے

دل پر ہمیں جو اپنے کچھ اختیار ہوتا
کرتے ہی کیوں محبت ہم ایک بیوفا سے

ہم عشق کرنے والے رسوا ہوئے تو کیا ہے
کرتی ہے یاد دنیا کیسے مری بلا سے

کافی ہمیں یہی ہے یہ حکمِ دلربا ہے
مطلق نہیں سروکار ہم کو جزا سزا سے

آتی ہے اُس طرف سے رہتا جہاں صنم ہے
پیغام کچھ دیا ہو پوچھو ذرا صبا سے

بندوں کے کب کیے تھے پورے حقوق تُو نے
اب کیا کہے گا سالکؔ تُو حشر کو خدا سے

○

جو درد و الم نام ہوتا تمہارا
تو ہوتا یہ دل میرا مسکن تمہارا

نظر آئی وہ مدّتوں بعد لیکن
نہ اُس نے کہا کچھ نہ میں نے پکارا

کیے تو تھے وعدے وفا کے سبھی نے
نہیں ہو سکا پر کوئی بھی ہمارا

ملامت سے اُن کی تو بہتر یہی ہے
کہ کرلوں جہاں سے ابھی سے کنارا

نہ رکھ وہ سکے دوستی کا بھرم ہی
خطاوار لیکن وہی ہے بچارا

سفینے سے مجھ کو اترنا پڑا جب
کنارا نہ تھا وہ جہاں پر اتارا

برا وقت بھی بیت جاتا ہی سالکؔ
جو ہوتا جہاں میں کوئی اک سہارا

○

جس نے دیکھاتو فدا زلفِ گرہ گیر ہوا
لٹ کا ہر بال کسی پاؤں کی زنجیر ہوا

ناز ہے اپنی جفاؤں پہ تمہیں آج مگر
کیا کرو گے جو رسا نالۂ شب گیر ہوا

ڈھونڈتے ہی رہے چارہ غمِ جاں کا ہم تو
ابنِ مریم بھی نہ پر صاحبِ تدبیر ہوا

زندگی میری بھی کیا خوب نکھر جاتی پر
خوابِ وصلت ہی نہ شرمندۂ تعبیر ہوا

پوچھ لینا نہ ہو معلوم جو دستورِ عشق
ضابطہ عشق مرے ہاتھ ہی تحریر ہوا

قدر کچھ بھی نہ ہوئی میری وفاؤں کی کبھی
جرمِ الفت بھی مرا لائقِ تعزیر ہوا

اُس کے دل میں بھی کہیں تو کوئی جذبہ ہو گا
ورنہ کیوں میری کہانی پہ وہ دلگیر ہوا

تھی نصیبوں میں تمہارے ہی فقیری سالکؔ
وہ نظر ورنہ پڑی جس پہ جہاں گیر ہوا

○

کیسے کروں میں دور تنہائی دلِ نادان کی
لیتا نہیں ہے راہ کوئی اِس رہِ سنسان کی

رخشِ جنوں میں منزلیں کرتا وہی ہے منتخب
اڑتی ہوں افواہیں جہاں پر آمدِ طوفان کی

دل نے کہا جاؤ وہاں تو عقل نے روکا مجھے
بزمِ بتاں جاتا تو ہوں پر فکر ہے ایمان کی

ہے یہ وہی استھان بجتا تھا جہاں ناقوس اک
اب گونجتی ہے ان فضاؤں میں صدا قرآن کی

اچھا ہی ہوتا جو دبا دیتے مجھے اک قبر میں
ہوتی نہیں برداشت مجھ سے خامشی زندان کی

ہرگز نہیں وعدے پہ اُس کے پھر کروں گا میں یقین
اب جب تلک کھاتے نہیں ہیں وہ قسم بھگوان کی

تحریر ہے لوحِ ازل پر نام اس کا خاک سے
وقعت زیادہ تو نہیں ذرے سے کچھ انسان کی

پھر شوقِ نظارہ ہوا پورا نہ سالکؔ آج بھی
کرتا رہا وہ منتِ بے سود اک دربان کی

○

کرے کیا ماندگی ہو لادوا جب
نہ ہو روگی کو امیّدِ شفا جب

ڈبو لیں انگلیاں اپنے لہو میں
ہتھیلی پر چڑھا رنگِ حنا جب

اُٹھ آئے بزم سے اُن کی اسی وقت
فسانہ ہو گئے مہرووفا جب

کہو گے کیا خدا کے سامنے تم
کروں گا شکوۂ جوروجفا جب

چراغاں ہو گیا محفل میں ناگاہ
پریشاں ہو گئی زلفِ رسا جب

اٹھا اک شور ''ہائے دل'' وہاں پر
اٹھی محفل میں چشمِ سرمہ سا جب

سمجھ لینا کرے ہے پھر کوئی یاد
سنو تم نغمۂ موجِ صبا جب

نہ تھی پھر واپسی کی راہ کوئی
دل و جاں سے کسی پر مر مٹا جب

خیال آتا ہے اک زلفِ رسا کا
اٹھے گھنگھور سی کالی گھٹا جب

بطرفِ یار آئی اک صدا واہ
کیا قاتل نے سرتن سے جدا جب

نشیمن پر مرے ہی کیوں گرے برق
کروں کیا ہو ستارہ ہی برا جب

بڑھی سرخی رخِ گل رنگ کی اور
کبھی آئینہ میں دیکھی ادا جب

○

کم نہیں دوست مگر ایک بھی ہمراز نہیں
اب دمِ آخریں ہے اور کوئی دمساز نہیں

وہ سمجھتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اچھا ہے
چہرے کا رنگ مری روح کا غماز نہیں

میرے دردوں کی کوئی چارہ گری ہو نہ سکی
میری قسمت میں مسیحائی کا اعجاز نہیں

شوخ صیّاد نے چھوڑا درِ زندان کھلا
جانتا ہے کہ مجھے طاقتِ پرواز نہیں

بزمِ یاراں میں ہے امیدِ بہاراں ابھی تک
اب یہاں کوئی مگر زمزمہ پرداز نہیں

ایک طوفان کی کب سے دے رہا ہے وہ خبر
کیجیے کیا کہ کوئی گوش برآواز نہیں

شوخ دیدہ تو ہمیشہ ہی نظر آتے رہے
آپ جیسا کوئی پایا بتِ طنّاز نہیں

○

کہو اسے جس کی زلف میں موتیا سجا ہے
کہ ایک دیوانہ تم پہ جی جان سے فدا ہے

قبول ہے ہر ستم رہے گر نگاہِ شفقت
ترا تغافل مرے لیے غایتِ جفا ہے

قدم اُٹھا ہی تھا مکتبِ عشق کو ابھی تو
سمجھ گیا میں کہ علّتِ عشق لادوا ہے

دوا ہو ایسی جو دردِ پیہم کو تیز کر دے
علالتِ عشق کو یہی مرہمِ شفا ہے

اسیرِ کاکل کو قید سے کیوں ڈرا رہے ہو
میں ہوں سزاوار گر محبت کوئی خطا ہے

کہیں ہو عالم میں جنسِ ناکارہ تو بتاؤ
تھا پر شکستہ جو کل تلک آج پر کُشا ہے

فریبِ آبِ دوام سے ہوشیار رہنا
نہ خدشۂ مرگ ہو تو پھر لطفِ زیست کیا ہے

قدم ہوں لغزیدہ مرکزِ فکر تو وہی ہے
تلاشِ منزل میں آج بھی گوش بر صدا ہے

مسافرانِ عدم نے سستا لیا ہے کچھ دیر
کہ منزلِ رخشِ عمر تو گلشنِ بقا ہے

برہنہ پا جا رہا ہے دشتِ جنوں کو سالکؔ
وہ جانتا ہے کہ اس سے آگے فقط فنا ہے

○

کہاں سے چلے اور منزل کہاں ہے
کہو بحرِ ہستی کا ساحل کہاں ہے

سِلاحِ چنیدہ ہو گر تیرِ مژگاں
تو جانو گے کیسے کہ قاتل کہاں ہے

ذرا دیکھ شوخی کہ دل لے کہ پھر وہ
مجھے پوچھتے ہیں ترا دل کہاں ہے

نہیں عالمِ جاں کنی گر تماشہ
تو پھر لذّتِ رقصِ بسمل کہاں ہے

ذرا سادگی دیکھ ہر اک سے پوچھیں
بتائے کوئی شمع محفل کہاں ہے

گرا منہ پہ آنچل تو بولے ستارے
شبِ ماہ ہے ماہِ کامل کہاں ہے

وہی قیس ہو گا ملا دشت میں جو
ہر اک سے یہ پوچھے کہ محمل کہاں ہے

ہوئے تم ستمگر میں شائق جفا کا
تو تم ہی کہو پھر کہ مشکل کہاں ہے

○

کہاں ہے شوق ملن کا کہاں وہ دل گرمی
ہو گفتگو بھی اگر بات ہوتی ہے رسمی

غزالہ چشم کے کم تو نہیں تھے دیوانے
ہوا ہے نرگس و آہو کو شوقِ ہم چشمی

نشانہ ناوکِ بستہ کا کیا بتاؤں میں
کیا جو چھید جگر میں تو دل ہوا زخمی

نہیں وہ آئے عیادت کو تو میں نے پوچھا
کہا ہوا ہے تغافل بہ عذرِ لا علمی

نگاہِ شوق سمجھتے رہے اشاروں کو
تمام عمر رہی بس یہی غلط فہمی

ہے حال میرا وہی اِس جہان میں جیسے
کھڑی ہو تیز ہواؤں میں شمع اک سہمی

لگے ہوں پشت پہ گر زخم اِس قدر جس کے
تو کیوں نہ اُس کی طبیعت ہوا کرے وہمی

○

کیا ہی اچھا ہو دمِ شوریدگی گر مل سکے
اس دلِ آزردہ کو آسودگی گر مل سکے

پھر ملی فرصت نہیں دنیا کے کاروبار سے
ہے تلاشِ لذّتِ آوارگی گر مل سکے

جب ہوا احساسِ عصیاں تو سحر ہونے کو تھی
توبہ کر لوں چند دن اور زندگی گر مل سکے

پھر سے پیاسا ہو رہا ہے دل سرابِ دشت کو
چاہتا ہے پھر پرانی تشنگی گر مل سکے

چاہیے گر کچھ تمہیں عاشق سے پوچھا میں نے جب
تو کہا لا دو مجھے دیوانگی گر مل سکے

یا الٰہی سوچتا ہوں مشکلیں آسان ہوں
حشر سے پہلے ہی اجرت پیشگی گر مل سکے

دل کے بہلانے کو کافی ہے خیالِ یار ہی
بس یہی اک باعثِ دلبستگی گر مل سکے

عمرِ پیری کے عوض ارزاں ہے یک روزہ شباب
بچپنے کی اے خدا ناپختگی گر مل سکے

جو عبادت کا دیا تھا ذوق ابراہیم کو
دے مجھے بھی وہ مذاقِ بندگی گر مل سکے

○

کیا گئے وہ باغ میں بلبل ہوا میرا رقیب
چاہیے تھا چل رہا ہوتا کوئی آگے نقیب

جانتے ہوں جو نہیں آخر وفا ہے چیز کیا
کیوں نہ پھر جوشِ وفا یارو لگے اُن کو عجیب

عشق کی شوریدگی سونے نہیں دیتی کبھی
گر سنو میری نہ جانا تم کبھی اس کے قریب

کچھ بتاؤ تو سہی ہوتا نہیں کیا کچھ یہاں
پر تمہارا میرا ہونا تھا نہیں میرا نصیب

جب عدالت میں گیا وہ منصفِ معمورہ کی
تو اٹھا رکھی تھی اس نے اپنے شانوں پر صلیب

آج محفل میں رہے کچھ بے تعلق یک طرف
خامشی ہے اک نشانِ آمدِ شورِ مہیب

پوچھتا ہوں عمرِ رفتہ سے ہوئے کیا دوست سب
کیا کبھی سالکؔ ہوا تھا اس قدر پہلے غریب

○

کیا بتاؤں نام سب کہتے ہیں سودائی مجھے
دی نہ کیا کیا عاشقی نے شرم و رسوائی مجھے

حسرتِ صحرانوردی رہ نہ جائے دل میں ہی
چاہیے دشتِ جنوں کی آبلہ پائی مجھے

گو چلا جاؤں تجلّی دیکھنے میں طور پر
کیا کروں گا گر نہیں ہو تابِ بینائی مجھے

جنگلوں کی راہ لی آسودگی کے واسطے
کاٹنے کو دوڑتی ہے اب یہ تنہائی مجھے

کیا کروں گا سوچتا ہوں بس یہی اب رات دن
راس آئی گر نہ یارو دشت پیمائی مجھے

ناشکیبائی مری استاد کی تقصیر ہے
اس نے عجلت میں دیا درسِ شکیبائی مجھے

پوچھتے ہیں عاشقی نے کیا دیا سالکؔ تجھے
کہہ اسی نے درد کی پوشاک پہنائی مجھے

○

کسے الزام بدبختی کا دوں میں
جیوں گر اور تو کیونکر جیوں میں

نہ سمجھیں گے مری منطق خردمند
کہ لکھتا ہوں حکایاتِ جنوں میں

مجھے ہی لوگ ٹھیرائیں گے خاطی
ادائے ناز پر گر مر مٹوں میں

نہیں حاجت مجھے چارہ گری کی
کہ زخمِ دل میں ہی پاؤں سکوں میں

کھلے گا راز اُن کی سختیوں کا
اگر اک داستاں اپنی لکھوں میں

پڑیں پتھر مجھے ہر ہر طرف سے
تری گلیوں میں آوارا پھروں میں

گزرتی ہیں مری راتیں کچھ ایسے
کبھی سوؤں کبھی تارے گنوں میں

نہ پہنچی آہ گر بابِ رسا تک
بتاؤ تم ہی دل کو کیا کہوں میں

○

کیوں کروں گا آپ سے پیمان میں
اس قدر تو ہوں نہیں نادان میں

ہاتھ اُن کے ظلم دیکھے اس قدر
ہو گیا مظلوم کی پہچان میں

جسم وجاں کا ربط ہے بودا بہت
ہوں بقائے زیست پر حیران میں

چھوڑ دو اب تو تغافل تم کہ اب
ہوں گھڑی دو چار کا مہمان میں

کیا کرو گے سن کے افسانہ مرا
داستانِ غم کا ہوں عنوان میں

جو متاعِ زندگی تھی لٹ گئی
ہو گیا پھر بے سروسامان میں

دیکھنے میں تو نظر آتا نہیں
گر دروں دیکھو تو ہوں ویران میں

○

کیا تھا عہدِ وفا جو موجِ سراب نکلا
ہوئی جو امید اک ملن کی تو خواب نکلا

شباب کو دیرپا سمجھتے رہے ہمیشہ
ہوا پر افسوس جب وہ مثلِ حباب نکلا

رقیب کو بزم سے نکالا گیا جو کل تو
خوشی ہوئی دل کو جب وہ خانہ خراب نکلا

چلی ہوائے بہار تو کھلکھلائے غنچے
نقاب چہرے سے جب اٹھا تو گلاب نکلا

غمی خوشی کا ملاپ مانا مگر یہاں تو
خوشی تھی قدرے قلیل غم بے حساب نکلا

قرار چاہا بھی دل نے کچھ دیر کو کبھی تو
یہ قافلہ زندگی کا پادررکاب نکلا

کسی قدر تو حیا سے عاری تھے ہی مگر پھر
خمار آگیں سماں بھی دافع حجاب نکلا

○

کیا خامشی کی وجہ کہوں دوست دار کو
خود دیکھ لے وہ آ کے دلِ داغدار کو

شاداب کرنے آتی ہے زخموں کو یہ یہاں
آنا یہاں وہ چھوڑ دے کہہ دو بہار کو

معشوق کی جفاؤں سے پھر دق ہوا کوئی
شمشیر کے بغیر چلا کارزار کو

کی التجا صبا سے ہو جاؤں میں خاک جب
رکھنا خرامِ موج کا رُخ کوئے یار کو

مسکن پہ میرے خوب تھا اُن کا قیاس جو
بھیجا مجھے بلانے تو ناقہ سوار کو

پوری ہوئی نہ خواہشِ دیدار آج بھی
دیکھو تو بے مروّتیِٔ پاسدار کو

دل خوش ہوا تھا دیکھ کے کرتے ہوئے انہیں
سرمے سے تیز تر مژۂ آبدار کو

بولے نہ سہہ سکا میں وہ چشمِ اداس جب
پوچھا کہ کیوں پکڑ کے تیاگا شکار کو

○

کیا ہو گیا ہے تجھ کو دل بیقرار آج
ہے کس قدر طویل شبِ انتظار آج

بے چین دل کا حال سناتا اسے اگر
ہوتا جو پاس میرے کوئی غمگسار آج

سب کچھ بدل گیا ہے زمانے گزر گئے
گھر تھا مرا کبھی یہ ہے جو خارزار آج

لگتا ہے جانے کیوں مجھے آئیں گے آج وہ
در کو اٹھے نگاہ مری بار بار آج

چھیڑو ابھی نہ تم مجھے لینے تو دو مزا
تیرِ نظر ہوا ہے جی کے آرپار آج

جس نے کبھی نہ عہد نبھایا ہو عمر بھر
تو اس کے قول کا کروں کیوں اعتبار آج

لگتا ہے آج سالکؔ بدنام مر گیا
ورنہ ہر ایک آنکھ ہے کیوں اشکبار آج

خوشیوں کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ملال
ہے بعد ہر عروج کے لازم کوئی زوال

اچھا بھلا تو تھا وہ اچانک ہوا یہ کیا
سب کے لبوں پہ بزم میں بس ہے یہی سوال

راہوں میں پھن پھلائے کھڑی ہیں یہ ناگنیں
ہر گام دامِ زلفِ بتاں کا رہے خیال

رخسار ہیں گلاب تو مژگاں کمان ہے
وہ چاند سی جبین ہے تو آنکھ ہے غزال

تھی ذہن میں شبیہ جو دھندلا گئی ہے اب
محبوب کا ہوا ہے تصوّر مجھے محال

پڑ جائے ایک بار جو مکھڑے پہ اک نظر
چہرے سے پھر ہٹے یہ کہاں دید کی مجال

سب روز و شب گزرتے رفاقت میں یار کی
سالکؔ کو روزگار کا ہوتا نہ گر وبال

کون ہوگا جو ہوا روپ سے مسحور نہیں
پھر ہوں کیوں حسنِ خداداد پہ مغرور نہیں

نارسیدہ ہی رہا نظرِ عنایت کا یہ دل
پھر بھی کہتے ہیں ابھی یہ شبِ دیجور نہیں

جب ملاقات کی خواہش کی تو آیا یہ جواب
پیش کی آپ نے درخواست جو منظور نہیں

آنکھ دے وہ کہ ہو جلوہ گری کی تاب جسے
یہ نگاہیں تو ترے جلوے کی مقدور نہیں

شعلہ رقصاں ہے بتقریبِ ظفر مندیٔ شمع
جانتا بھی ہے کہ آغازِ سحر دور نہیں

وہ پلاتا ہی رہا جام ہمیں رات گئے
جب تلک بزم میں سب ہو گئے مخمور نہیں

منصفِ شہر سے جو دادرسی چاہی کبھی
تو کہا شہر کے آئین میں مسطور نہیں

آرزوئے دلِ بیتاب سے وارستہ ہوا
تو لگا آہ کوئی سینے میں محصور نہیں

عشق نے صرف ہمیں ہی نہیں برباد کیا
دل کے آگے ہے کوئی جو ہوا مجبور نہیں

کوئی پوچھے تو حسنِ سادہ سے
کیوں رکے تم وفائے وعدہ سے

دل ہے منبع غبارِ خاطر کا
جو نکلتا ہے راہِ دیدہ سے

جب بہت بڑھ گیا غمِ فرقت
تو کیا چارہ شغلِ بادہ سے

رنجشیں بھول جاؤ کرتے ہیں
ابتدا پھر سے لوحِ سادہ سے

آپ گر آئیں تو کریں گے ہم
میزبانی شرابِ چیدہ سے

کیوں نہیں گھونسلے بنے اب کے
پوچھ برگِ خزاں رسیدہ سے

چند دن زندگی کی قیمت کیوں
پوچھتے ہو اجل رسیدہ سے

ہے وہی اب بھی خواہشِ پرواز
پوچھ لو مرغِ پربریدہ سے

جان سکتے جو عمرِ ہستی کا
سفرِ ماندہ نشانِ جادہ سے

○

کیوں سزاوارِ ستم ہو دل یہ
راہ میں جب نہ ہوا حائل یہ

حالِ دل آنکھ عیاں کرتی ہے
نطق و لب کا ہے نہیں قائل یہ

دل کے کہنے پہ گیا بزمِ بتاں
تیرِ مژگاں سے ہوا گھائل یہ

کھو گئی جب رہِ محبوب ہی تو
ہو گیا زائرِ بےمنزل یہ

کیوں تغافل کا گلہ ہو دل کو
ہو گیا خود سے ہی جب غافل یہ

اب کروں بات پہ تکیہ کہ نہیں
آ پڑی سر پہ مرے مشکل یہ

خشک کچھ پھول تو کچھ یادیں بس
زندگی کا ہے مری حاصل یہ

تم رہو خوش ہو جہاں بھی یارو
میں گیا چھوڑ کے اب محفل یہ

○

میں عندلیبِ چمن تو گلِ گلستاں وہ
پتنگا ہوں میں اگر شمع اک فروزاں وہ

نگاہ خیرہ تھی رنگینیِ جمال سے واں
کوئی نہ دیکھ سکا حسن آفتِ جاں وہ

زدِ نگاہ میں جو آ گیا بچے وہ کیوں
ہوا وہیں پہ ہی مفتونِ تیرِ مژگاں وہ

خیال ایک گزرتا ہے روز ہی دل سے
جفا پہ اپنی ہوا تو ہوگا پشیماں وہ

یہ زندگی ہو گئی ایک بار پھر پُرلطف
دلِ گرفتہ کا جب سے ہوا ہے مہماں وہ

مرے خلاف کسی نے کہا ہوگا پھر کچھ
کہ مجھ سے رہنے لگا آج کل گریزاں وہ

گلے میں طوق پڑا دست بند ہاتھوں میں
ہوا ہے جرمِ محبت میں پابجولاں وہ

○

موج امنڈنے کے بعد چھان رہا خاک ہے
لہر سے جو بچ گیا سب خس و خاشاک ہے

پہلے دیا حوصلہ پھر جی بڑھایا مرا
اب کہیں کیوں اس قدر عشق میں بیباک ہے

آج سے پھیلاؤں گا کاسہ گدائی کا میں
بس اسی کے آگے جو مالکِ افلاک ہے

تُو ہے وراء الورا آنکھ نے دیکھا نہیں
بس یہی انسان کی سرحدِ ادراک ہے

ذکرِ جفا جب ہوا محفلِ یاراں میں تو
جان لیا دلربا میرا ہی سفّاک ہے

اب ہو گئیں مدتیں اس کے تو مرنے کو بھی
دیکھیے ہر آنکھ ہی آج بھی غمناک ہے

دیکھ کہ جاتا ہے پھر سالکؔ شوریدہ حال
بال پراگندہ ہیں دامنِ دل چاک ہے

○

مرنے پہ مرے دشت میں محشر کا سماں ہے
اک شورِ قیامت ہے کوئی آہ و فغاں ہے

روکے تو کوئی عمرِ سبک خیز کو یارو
اک اسپِ سبک گام ہے اک آبِ رواں ہے

امیدِ وفا رکھتے ہو کیوں زیست سے لوگو
مے کش نہ رہے جانے کہاں پیرِ مغاں ہے

ہے زیست کا سرمایہ اگر دشت نوردی
نوخیز جوانی کی سُرت عشقِ بتاں ہے

مقتل میں علی الصبح خموشی کا ہوا راج
اب ایک فسانہ ہی یہاں رقص کناں ہے

پروان چڑھی بوند جو آغوشِ صدف میں
قسمت کہ وہ زیبائشِ حلقومِ بتاں ہے

تاثیر نہیں میری کسی بات میں سالکؔ
کہتا نہیں ہوں کچھ بھی کہ لفظوں کا زیاں ہے

○

مقدور نہیں ہم کو فرطِ دمِ جولاں پر
کر دیں گے نچھاور جاں ہم عشوۂ ساماں پر

بے رونقی دیکھوں تو ہوتا ہے گماں مجھ کو
اک دشتِ ہویدا کا اِس خانۂ ویراں پر

بیتاب نگاہوں میں باقی نہ رہی جب تاب
کیا وقت عجب آیا اس دیدۂ حیراں پر

جب پھیل گئی ظلمت اس کنجِ قفس میں بھی
تو ٹھیر گئیں نظریں اک روزنِ زنداں پر

جو تو نے لگایا تھا اُس زخمِ جگر کا ہی
ہوتا ہے گماں ہم کو اب ہر گلِ خنداں پر

جلنا ہی مقدر ہو تو فرق نہیں پڑتا
ہو محفلِ خوباں میں یا گورِ غریباں پر

لازم ہے سیہ مستی کلفت کے بھلانے کو
پر جام اُٹھانا ہے مشکل تنِ آساں پر

جنگل کے درندے بھی سب کانپ اٹھے سن کر
انسان نے ڈھایا ظلم جو حضرتِ انساں پر

زنہار نہیں رسوا الفت کو کرے گا یہ
اتنا تو بھروسا ہے ہم کو غمِ جاناں پر

ایفا نہ ہوا پہلے وہ اب بھی نہیں ہوگا
آئے گا یقیں کیونکر اب وعدہ و پیماں پر

پوجا بتِ رعنا کو اتنا کہ ہوئے کافر
افسوس نہیں لیکن اِس غارتِ ایماں پر

وہ بابِ رسائی تک پہنچا ہی نہیں سالکؔ
تھا ناز تمہیں اتنا جس نالۂ سوزاں پر

لے گئے وہ سکھ مرا رہ گئیں اُداسیاں
جو قریب تھے بہت دے گئے وہ دوریاں

ہے چمن سے یہ خبر آئی ہے بہار پھر
پا میں صیدِ بستہ کے اب مگر ہیں بیڑیاں

داستان عشق کی رہ گئی ادھوری ہی
لکھ نہیں سکوں گا اور ہیں فگار انگلیاں

اے زمین کیوں نہیں سیر ہوتی تُو کبھی
اب تلک نگل گئی جانے کتنی ہستیاں

اک دلہن کی رُخصتی ہو رہی ہے آج پر
ہاتھ دیکھیے ذرا ہے حنا نہ چوڑیاں

پھر کرے کوئی تو کیا بحرِ موج خیز میں
ناخدا ہوں خام کار اور شکستہ کشتیاں

خاکِ دشت چھاننے گھر سے نکلے بن یہاں
دیکھیے کہ ہر طرف اُگ رہی ہیں جھاڑیاں

مانگ لے معافی اب اپنے سب گناہوں کی
آسماں پہ ہوتی ہے قدر صرف آہوں کی

کائنات کے ذرات آئینہ ہوئے ہیں سب
پھر تلاش میں ہے کیوں اب بھی جلوہ گاہوں کی

کچھ پڑے ہیں یاں مضروب کچھ گرے وہاں مقتول
کارسازیاں ہیں سب سنگدل نگاہوں کی

ہو گئی مجھے تعزیر عشق کی عدالت میں
وقتِ حکم نظریں تھیں سب جھکی گواہوں کی

تھی حصار میں گردن کب سے ہی قضا کے پر
تنگ ہو رہی ہے اب وہ گرفت باہوں کی

راستے بہت ہوں گے زیست کے مسافر کے
منزلیں نہیں دو پر زندگی کی راہوں کی

سر پڑے ہیں کس کے یاں یہ نہیں پتا لیکن
پھر رہی تھی اک ٹولی شام کج کلاہوں کی

جو پناہ مل جائے اُس عزیز کی سالکؔ
تو نہیں رہے حاجت اور پناہ گاہوں کی

میں تو اک سوال ہوں اس کا تم جواب ہو
پھول کی مہک ہوں میں تم مرا گلاب ہو

ہر طرف ہی رنگ ہیں زندگی جوان ہے
میں تری بہار ہوں تم مرا شباب ہو

اک سہانی شام ہے تیرا ہم نشیں ہوں میں
آنکھ کا خمار ہو تم مری شراب ہو

غمزہ جانستاں تری چشم ہے ادا طراز
میں کہوں تو کیا کہوں جو ہو لاجواب ہو

خوبرو بہت ہیں پر اس قدر کوئی نہیں
عالمِ بہار میں تم ہی انتخاب ہو

تیر مارنے کے بعد پوچھتے ہو حالِ دل
شوخ ہے زباں تری تم بہت خراب ہو

بیت جاتی زندگی پیار کے بغیر بھی
خوش نصیبی پر مری تم جو ہمرکاب ہو

سالکِ خراب کی ہر شبِ سیاہ میں
تیرگی کا توڑ ہو تم ہی ماہتاب ہو

○

میرے دردوں کے لیے اک چارہ گر مطلوب تھا
پر مسیحائی کا دعویدار تو مصلوب تھا

بلبلِ مشتاق پھر عاشق ہوا جس پھول پر
وہ شگوفہ مسندِ گل میں ابھی محبوب تھا

سب ہوئے پامال سن کر شور محشر کا مگر
گر کسی نے کی نہ جنبش وہ فقط مجذوب تھا

وقتِ رخصت کو بھلا کیسے بھلا سکتا ہوں میں
جب جگر پانی ہوا اور دل بہت مضروب تھا

چاہتا تھا تھامنا اشکوں کو پلکوں میں سدا
آنکھ سے آنسو گرا جو تجھ سے ہی منسوب تھا

اک تصوّر باندھ کر میں رات بھر بیٹھا رہا
تھی گھٹا چھائی ہوئی موسم بھی کچھ مرطوب تھا

وسط میں پھولوں کے دیکھا جب تو پہچانا نہیں
برگِ گل سمجھا جسے میں وہ لبِ محبوب تھا

تابِ سوزِ عشق کچھ کم تو نہیں اُس وقت سے
جب غمِ فرقت کو لازم دیدۂ یعقوب تھا

○

ملتے رہے گو روز ہی پھر بھی رہے انجان ہم
دیں داستانِ عالمِ فرقت کو کیا عنوان ہم

آئے نہیں گر وہ خلافِ قول بھی تو غم نہیں
اچھا ہوا جو ہیں نہیں منّت کشِ احسان ہم

کیوں آندھیوں سے تم ڈراتے ہو ہمیں اے دوستو
دیکھو کہ اب تو ہو گئے ہیں خوگرِ طوفان ہم

جن کے لیے کرتے رہے ہم زندگی بھر انتظار
کہتے ہیں وہ اب ہو گئے ہیں اک وبالِ جان ہم

تھا ساتھ اُن کا جب تلک کہلائے بذلہ سنج ہم
پھر سوزِ غمہائے نہانی کی ہوئے پہچان ہم

دشوار تھی اُن عاشقوں کو آبلہ پائی وہاں
یاں عاشقی میں کر گئے مرنے کو بھی آسان ہم

سالکؔ وہ باتیں پیار کی ، قصّے وفا کے کیا ہوئے
لگتا ہے جیسے عمر بھر بکتے رہے ہذیان ہم

جو تھے مبتلائے عشق سب ہی ناتواں گئے
جس قدر علاج تھے سب ہی رائگاں گئے

تم بھلا نہ پاؤ گے اس اسیرِ عشق کو
ہم نے چھوڑے نقشِ پا ہم جہاں جہاں گئے

دل کو روکتے رہے کوئے یار سے مگر
جب رہا نہ اختیار تو کشاں کشاں گئے

کھو گیا ہے راستہ رہگزارِ زیست میں
کیا ہوئے وہ سنگِ میل رہگزر کہاں گئے

اک مہیب خامشی ہر طرف ہی چھا گئی
دشت دم بخود ہوا جب وہ کارواں گئے

نام بے وفا لیا جب کسی نے بزم میں
آنکھ کے اشارے سب جانبِ بتاں گئے

کچھ نشان رہ گئے کچھ سراب رہ گئے
کچھ پتا نہیں چلا کب وہ سارباں گئے

مٹ گیا سب جو لکھا تھا منتشر اوراق پر
خواہشیں حسرت بنیں تو رکھ دیا اک طاق پر

سامنے آتا نہیں ہے کیوں کبھی تُو بے نقاب
ظلم اتنا تو نہ کر اِس دیدۂ مشتاق پر

بندگی کرنی نہیں تھی اے بشر تجھ کو اگر
ثبت کی تھی مُہر کیوں پھر بندھنِ میثاق پر

دیکھتا تھا وسعتِ دامانِ ضبطِ خاک کو
جا پڑی میری نظر پھر تنگئ افلاق پر

جو ہوئے رخصت یہاں سے آسماں پر سج گئے
ڈھونڈتا ہوں اک ستارہ سرحدِ آفاق پر

کیوں کہا اہلِ خِرد نے درد کا درماں نہیں
کب کیا تھا ہم نے تکیہ زہر کے تریاق پر

شعلۂ الفت کو نظروں کا تصادم چاہیے
آگ کو جیسے رگڑنا سنگ کا چقماق پر

○

مرے جنوں کو زیاں کار ہے یہ تنگیٔ زندان
کہ چاہیے ہے اسے وسعتِ اجاڑ و بیابان

معاملہ ہے یہ نازک جو فیصلہ ہو تو کیونکر
یہاں دھرم ہے اگر تو وہاں وہ دشمنِ ایمان

ہے ناگوار خوشامد مجھے مگر کروں تو کیا
یہاں محال ہے جلوہ بنا عنایتِ دربان

جو جمع ہو گئے اجزائے عشق تو ہے عجب کیا
کہ تھا خمار جوانی کا اور عمر بھی نادان

رسا ہوئیں مری آہیں نکل گئے مرے ارمان
ہے ایک ہاتھ میں خنجر تو دوسرے میں نمکدان

کیا تھا قصد کہ ڈالیں گے باگ رخشِ جنوں کو
نہ کچھ بھی کم ہوا زنجیرِ پا سے شوقِ بیابان

سزائے یادِ گزشتہ سے مخلصی ہو سکے بس
کہ اب تو رہ گئی ہے محض ایک حسرتِ نسیان

○

مرا بھی ترا بھی وہی اک خدا ہے
اسی سے ہی مانگو وہ حاجت روا ہے

خطائیں کرو اُس کے آگے بیاں تم
تمہاری مری بس اسی میں بقا ہے

جھلک اک دکھا دو جو بیمار کو تم
کہ دیدار اُس کے دکھوں کی دوا ہے

جو مذہب کا ٹھیکہ اٹھائے ہیں اُن کی
جبینوں پہ محراب دل میں ریا ہے

مرے دلربا نے مجھے جس سے لوٹا
وہ عشوہ و غمزہ و ناز و ادا ہے

نہ جھاڑو اسے صبح سے پھر رہا ہے
مری طرح وہ بھی جھلک کا گدا ہے

کھپاتے ہو سر یونہی جو عشق میں تم
کرو اور کچھ عشق میں کیا دھرا ہے

کرو قید زندانِ الفت میں اس کو
کہ اس کے لیے بس یہی اک سزا ہے

○

رہِ عشق میں وہ جو میں نے سہا ہے
تمہارے لیے بس یہی بددعا ہے

کیا ہے ہمیں یاد اک دلربا نے
زبانی یہ لوگوں کی ہم نے سنا ہے

مجھے جام اک اور ساقی پلا دے
کہ تکلیف دردوں کی پھر کچھ سوا ہے

ہوا عشق اُن کو سنا جب کسی سے
ہوا مجھ کو معلوم نالہ رسا ہے

جنازے پہ آیا نئے پیرہن میں
مرے ہی لیے آج پھر وہ سجا ہے

رہِ عشق میں جان دے کر وہ سمجھے
کہ اُڑتا سروں پر ہمارے ہما ہے

کرو شمع گُل وقتِ آرام ہے اب
کرو بند آنکھیں کہ آئی قضا ہے

○

مری خامشی کو زباں دے کوئی
گماں کو یقیں کا گماں دے کوئی

ہرے ہو گئے زخم پھر سے مرے
انہیں اب ہوائے خزاں دے کوئی

ترے در سے تب بھی اُٹھوں میں نہیں
اگر گنجِ ہا بیکراں دے کوئی

یہ غمزہ طرازی یہ عشوہ گری
شعورِ ادائے بتاں دے کوئی

لیا ہے جنم درد کی کوکھ سے
مرے کان میں اب اذاں دے کوئی

ہوئے شاذ بے لوث دل آج کل
مجھے مول اِس کا گراں دے کوئی

برستی رہی آگ سر پر مرے
مرے دشت میں سائباں دے کوئی

یہاں ہر کوئی ہے شترِ بے مہار
ارے بھیڑ کو سارباں دے کوئی

زمیں ہی رہے جب نہ پیروں تلے
تو کیوں سر پہ اک آسماں دے کوئی

لگاتے ہیں سالکؔ پہ الزام وہ
بچارے کو اُن سے اماں دے کوئی

○

میرے خیالوں میں کیوں شام و سحر آتے ہیں
جب بھی کروں آنکھ بند آپ نظر آتے ہیں

ہم تو سمجھتے رہے عشق کو اک کھیل پر
راہِ وفا میں کٹھن راہگزر آتے ہیں

ٹوٹکے تعویز سب جانچ لیے دوستو
کب کسی کے وہ مگر زیرِ اثر آتے ہیں

آئے نہیں پھر مگر میرے چمن میں کبھی
فصلِ بہاراں میں سب درد ابھر آتے ہیں

میں تو نہیں جانتا بات مگر ہے ضرور
لوگ تری بزم سے خاک بسر آتے ہیں

اڑ رہی ہے اک خبر ضعفِ جگر دیکھ کر
لے کے مرے واسطے آبِ خضر آتے ہیں

چہرہ چھپایا کرو پیچھے نہ پردے کے یوں
آج تری دید کو تشنہ جگر آتے ہیں

○

مدّت ہوئی ہے اُن سے نگاہیں لڑے ہوئے
اوجھل ہوئے جو آنکھ سے تو دن کڑے ہوئے

آ کر گزر گئی جو قیامت عجیب تھی
گردوں گرا کہیں نہ ہی مردے کھڑے ہوئے

دن رات رو رہے ہیں جدائی میں اُن کی سب
اور وہ ہیں اِس جہان سے غافل پڑے ہوئے

خوددار تو تھے ہم بھی مگر اِس قدر نہیں
اپنی انا پہ ہیں وہ ابھی تک اڑے ہوئے

مشکل نہیں تھا جانچنا جوہر شناس کو
اشکوں کے سلسلے میں جواہر جڑے ہوئے

تھے میری زندگی میں بھی کچھ رنگ تو مگر
جیسے خزاں میں پھول کے پتے جھڑے ہوئے

پوچھے اگر کوئی تو وہ کہتے ہیں بس یہی
ہیں میری بے وفائی کے قصّے گھڑے ہوئے

مرنے کے بعد چیر کے دیکھا جو دل مرا
یادوں کے تیری نکلے خزانے گڑے ہوئے

○

نہیں شوق عیش و طرب کا مجھے
نہ ارماں ہے شور و شغب کا مجھے

نظر جب پڑی پنکھڑی پر مری
خیال آ گیا اُس کے لب کا مجھے

پریشاں کرے فکرِ فردا اسے
تو اندیشہ اتمامِ شب کا مجھے

مٹاؤں میں کیسے وہ ناراضگی
پتا ہی نہیں جب سبب کا مجھے

جو دیکھا تھا پہلی نظر آپ کو
ہوا آپ سے پیار تب کا مجھے

گیا اُن کی محفل میں ڈرتے ہوئے
کہ دھڑکا لگا تھا غضب کا مجھے

نظر ہی نظر میں ادا ہوگیا
سلام آخری جاں بلب کا مجھے

ہے سالکؔ پہ احسان یہ آپ کا
سلیقہ سکھایا ادب کا مجھے

○

نہیں کروں گا کبھی بھروسہ تری قسم پر
کہ رہ لیا ہے بہت ترے رحم اور کرم پر

ہے عُسرتِ دید کا گلہ دل کو آنکھ سے تو
ہے عذرِ دیدہ نگاہ ٹکتی نہیں صنم پر

کریں شکایت تو اک قیامت بپا ہوتی ہے
مگر نہیں اُٹھتی آنکھ اُن کے کسی ستم پر

جتن کیے رازِ آشنائی عیاں نہ ہویں
نگاہِ بے شرم نے نہ رہنے دیا بھرم پر

ہوا سفر زندگی کا دوبھر بنا تمہارے
مجھے ستایا ہے تیری یادوں نے ہر قدم پر

جگہ نئی دیکھنے کا ہے اشتیاق مجھ کو
کوئی ہو جو ساتھ میرے جائے رہِ عدم پر

ستم کیے ہیں جو زندگی بھر کسی پہ تم نے
کبھی بھی سالکؔ نہ کر سکے گا انہیں رقم پر

○

نہیں داغِ دل بے سبب تو فروزاں
یہی ہیں نقوشِ ورودِ بہاراں

کہو موسموں سے نہ بدلا کریں یوں
ہوا جا رہا ہے شجرزار ویراں

نہیں جانتا شمع کب تک جلی کل
ہوئی ختم کب رات شامِ غریباں

کسے وسعتِ شوق معلوم تھی جو
ہوا تنگ میرے جنوں کو بیاباں

نہیں گر جنونی تو کیا ہے بتاؤ
چلا جا رہا ہے جو مست و خراماں

نہ پوچھو مجھے حال شعلہ رخاں کا
کہ وہ ہو گئے زینتِ طاقِ نسیاں

ترا صید تو مر چکا ہے کبھی کا
ہوئی تجھ سے تاخیر زودِ پشیماں

چڑھا اہلِ منصب کو جوشِ عمل پھر
ہوئے پھر سے اہلِ جنوں پا بہ جولاں

○

مجھے بھی دیکھ ذرا جو نگاہِ عبرت ہو
نہ اِس کے بعد تجھے عاشقی کی حاجت ہو

نگاہِ شوق کے ہیں منتظر کبھی کے ہم
نظر اُچٹتی سی اک ڈال لے جو فرصت ہو

رہی نہ طاقتِ گفتار دیکھ کر وہ حسن
مری زبان میں کیونکر نہ آج لکنت ہو

کبھی جو آپ کو غیروں سے مخلصی ہو تو
ادھر بھی نظرِ کرم ہو اگر نہ زحمت ہو

خدا کرے کہ کبھی آ لے بے خودی اُن کو
تو میرے سر پہ ہی وارفتگی کی تہمت ہو

کھلی جو آنکھ تو دیوانگی نظر آئی
مری جوانی کو شاید جنوں سے نسبت ہو

نہ ملنے کے یہ بہانے بہت پرانے ہیں
وہ عذر پیش کریں جس میں کوئی جدّت ہو

○

نفس تڑپتا رہا سانس سسکتی رہی
کھوئے کسی یار کی یاد سلگتی رہی

آنکھ کو زحمت ہو کیوں سوچ لیا تھا مگر
خواہشِ دیدار پر آنکھ بہکتی رہی

جب ہو گئے ہم جدا چین ملا پھر نہیں
روح مری حشر تک راہ بھٹکتی رہی

اشک رواں جب ہوئے ٹھہر گئی رات بھی
بانٹ لیا غم مرا شمع پگھلتی رہی

ظلم جو حد سے بڑھا خلقِ خدا پر کبھی
قہر فلک کا ہوا آگ برستی رہی

آتشِ رخسار کو دیکھ کے کل شمع بھی
رشک کی اک آگ میں رات کو جلتی رہی

موت کا تھا انتظار ٹوٹ گئی آس پر
آج بھی بیمار کی نبض دھڑکتی رہی

کہہ گئے تھے آنے کا راہ پہ نظریں رہیں
ساز بھی بجتا رہا شام بکھرتی رہی

○

نظرِ کرم گر نہیں کوئی ستم ہی سہی
جب ہو نہیں وصلِ یار تو شبِ غم ہی سہی

موت کی سن کر خبر گر ہو فراغت تمہیں
دینے کو کندھا مجھے ایک قدم ہی سہی

اب نہ کبھی بھی کروں اُن پہ بھروسا اگر
وعدہ کریں آنے کا کھا کے قسم ہی سہی

ان کا بگڑتا تھا کیا رکھ لیا ہوتا اگر
شوخ زباں کا مری جھوٹ بھرم ہی سہی

نیست جنم کے سوا کچھ نہیں ہے دوستو
ہست نہیں گر مجھے راہِ عدم ہی سہی

دل کو سکوں چاہیے جس جگہ سے بھی ملے
بند ہے میخانہ گر آؤ حرم ہی سہی

عذر ہو معقول اک آپ نے لڑنا ہے گر
کچھ بھی نہیں گر عناد ذات دھرم ہی سہی

○

مجھ سے جو نام آپ کا موسوم ہو گیا
تو اک رفیقِ زیست بھی مقسوم ہو گیا

خنداں ہوا تھا دیکھ کے انجام پھول کا
غنچہ جو کل خود آج وہ معدوم ہو گیا

قسمت مری کہ گھونٹ لیا تھا نہیں ابھی
آبِ بقا کا چشمہ ہی مسموم ہو گیا

کر لی کسی نے توبہ غلط گوئی سے اگر
تو وہ گناہگار بھی مرحوم ہو گیا

کچھ اس قدر دکھوں سے پڑا واسطہ اسے
بیتی ہوئی سنائی تو مغموم ہو گیا

چہرے پہ جب وہ زلفِ گرہ گیر چھا گئی
معصوم چہرہ اور بھی معصوم ہو گیا

ظاہر کیا یہی کہ نہیں کچھ وہ جانتا
جب حالِ دل مرا اسے معلوم ہو گیا

نحیف شانے جھک گئے ہیں بوجھ سے گناہ کے
مجھے بتائے طور کوئی شانِ بارگاہ کے

نظر میں تاب ہی نہ تھی کہ جلوہ دیکھتی ترا
نقاب سب اتر گئے بجز مری نگاہ کے

خیال و فکرِ شاہ اور گدا میں فرق تو نہیں
سنو کہ دیکھتے ہیں خواب ہم بھی مہر و ماہ کے

گیا تھا ناچتے ہوئے میں قتل گاہ کی طرف
نہ جانتا تھا تب مگر طریق رزم گاہ کے

عجیب داوری ہے جو ہوا ہے حکمِ دادگر
کہ سامنے مرے سیو یہ ہونٹ دادخواہ کے

پرندے پھر سے کوستے ہیں بادِ تند کو کہ پھر
تلف ہوئے ٹھکانے تھے چمن میں جو پناہ کے

گناہ پر ہوئے دلیر سوچ کر وہ آج پھر
بروزِ حشر تھوپ دیں گے سر پہ بے گناہ کے

نینوں کو جام کر دے نظریں شراب کر دے
شب آفتاب کر دے رُخ بے نقاب کر دے

وہ خشک ہونٹ لے کر پھرتا ہے دشت میں جو
کرتا ہے اب دعا یہ پانی سراب کر دے

مجھ کو جھجھک بہت ہے جو حالِ دل عیاں ہو
کچھ دیر کو مجھے تُو اب بے حجاب کر دے

ہیں رات کے اندھیرے گہرے بہت خدایا
تاریک سی یہ راتیں پھر ماہتاب کر دے

آنسو بہت بہے ہیں کس کام کے مگر ہیں
گر زیست بخش ہیں تو اِن کو سحاب کر دے

یہ زیست کا سفر اب مشکل لگے ہے تنہا
تُو اس سفر میں ہم کو اب ہمرکاب کر دے

ہوں تو بہت گنہگار تجھ سے ہی مانگتا ہوں
یارب مری دعائیں سب مستجاب کر دے

○

پاداشِ الفت کتنی کڑی ہے
آگے وہ میری میّت پڑی ہے

قصروں میں مجھ کو راحت نہیں ہے
اُن سے تو اچھی یہ جھونپڑی ہے

سجتی نہیں ہے مجھ پر یہ خلعت
دے دو مری تم جو گودڑی ہے

دلچسپ پھر سے جیون ہوا ہے
یہ آنکھ میری جب سے لڑی ہے

پردہ اُٹھانا رُخ سے نہ اُن کے
پیچھے قیامت پیکر کھڑی ہے

رویا جو بلبل پوچھا تو بولا
پھولوں سے ٹوٹی اک پنکھڑی ہے

پھر اک قیامت آنے لگی ہے
فرقت کی پھر سے آئی گھڑی ہے

○

پوچھتے ہو تو سنو گوہرِ مراد پھر
یا تو آؤ خواب میں یا نہ آؤ یاد پھر

زندگی کا دوسرا نام ہے اذیتیں
سن رہا ہوں کان میں شورِ ابروباد پھر

سنگدل سے واسطہ ہے نصیب میں مرے
تجھ سے پڑ گیا ہے کام آج سنگ زاد پھر

جب معاف کر دیا آنکھ کا قصور تو
ہو رہے ہیں آپ کیوں برسرِ فساد پھر

وہ فسانہ غم کا جو لکھ رہا تھا آج میں
ختم تو نہیں ہوا لاؤ وہ مداد پھر

ہو سکی نہ مستجاب آج بھی دعا مری
لوٹ آئی راہ سے آہِ نامراد پھر

ہے خلش عجیب سی دل کو اِس قرار میں
چاہتا ہے دل وہی زیست کے تضاد پھر

جس وفا شعار کو تم نے رد کیا تھا کل
اب ملے تمھیں تو کیوں وہ وفانہاد پھر

○

پوچھا کیا جگر سے دل کی بھی کی خوشامد
کچھ تو بتاؤ مجھ کو کیا ہے جنوں کی سرحد

بازار کو چلا ہوں لاؤں نمک تو کتنا
زخمِ جگر سے پوچھا آواز آئی 'بے حد'

قائم ہیں عشق سے ہی جیون کی رونقیں سب
ہوتا ہے بے مزا جب خالی ہو دل کی مسند

ہم عاشقِ بتاں ہیں ہم کو جگہ سے کیا ہے
ہوتے ہیں سرنگوں ہم ہو میکدہ کہ معبد

مدّت کے بعد جب ہم ملنے گئے صنم کو
تو پوچھنے لگا وہ آنے کا کیا ہے مقصد

گاؤں کے وسط میں وہ عرصہ ہوا کھڑا ہے
کتنی ہی آفتوں کا عینی گواہ برگد

ظلم و جفا کریں ہیں لالہ رُخانِ کشور
خاموش پر کھڑے ہیں مینار اور گنبد

سالکؔ ہوئی ہے مدّت آیا نہیں کوئی یاں
جو پھول تھے ہوئے خشک کشتہ چراغِ مرقد

○

پھولوں سے خوشبو آتی نہیں اب
کوئل تو ہے پر گاتی نہیں اب

پھرتی نظر ہے چاروں طرف پر
اُس کو کہیں بھی پاتی نہیں اب

دل کی اداسی میرے لبوں پر
کوئی بھی مسکان لاتی نہیں اب

ہر رات کے بعد ہے اک سحر پر
تاریکیٔ شب ڈھلتی نہیں اب

یارب اُٹھا لے مجھ کو جہاں سے
تیری یہ دنیا بھاتی نہیں اب

دریا کا پانی چڑھنے لگا ہے
اشکوں کی مالا تھمتی نہیں اب

تم ڈھونڈتے ہو جو رنگِ محفل
وہ بزم یارو سجتی نہیں اب

چوگرد جس کے پروانے گھومے
وہ شمع سالکؔ جلتی نہیں اب

○

پھر یاد تری آئی پھر آج بہت رویا
پھر اشک شفق گوں سے ناسورِ جگر دھویا

تکتا ہوں ہواؤں میں پڑ جائے نظر شاید
کچھ ہوش نہیں اپنا جب سے ہے تجھے کھویا

اب بات کریں تو کیا کہنے کو نہیں کچھ بھی
الفاظ نہیں ملتے ہیں گُنگ لبِ گویا

تسکین نہیں ملتی مرتا ہوں تھکاوٹ سے
کچھ دیر نہ یاد آؤ مدّت سے نہیں سویا

ہے بوجھ نہیں آساں یہ مار کے چھوڑے گا
گر بارِ غمِ فرقت شانوں پہ کبھی ڈھویا

رہتے ہو مرے دل میں آنکھوں سے مگر اوجھل
صورت کو ترستا ہوں اک دید کا میں جویا

کھاؤ گے ثمر اس کا اب حشر تلک سالکؔ
اک درد کی کھیتی میں جو تخمِ برہ بویا

○

پھر بہار آئی تو دوخت ٹوٹنے لگا
نکھ بڑھا لیے کہ جب زخم سوکھنے لگا

مدتوں کے بعد میں ریگزار جب گیا
تو خوشی سے پاؤں میں آ کے لوٹنے لگا

کیا کہوں لبوں کی میں کھولتے ہیں جب کبھی
تو لگے ہے یوں کہ اک غنچہ پھوٹنے لگا

اُن کی رخصتی کا جب آ گیا خیال تو
تب سے ہی مرا جگر ہجر جھیلنے لگا

پھر رقیب سے کہیں غرضِ وصل تو نہیں
کیوں وگرنہ بزم سے پھر وہ روکنے لگا

جب یقین ہو گیا التفات کچھ نہیں
تو نظر کے تیر وہ پھر سے پھینکنے لگا

پھر بدل گئی ہے رُت لوٹ آئے پھر طیور
پیڑ خشک تھا پڑا پھر سے پھولنے لگا

○

پرندوں کی نواسنجی سنو لب بستہ برگد میں
کھِلے ہیں پھول تو تاخیر کیا بلبل کی آمد میں

پیو مسجد میں یا مندر میں نشّہ کم نہیں ہوتا
نکالے جب گئے مسجد سے پی سایۂ معبد میں

یہ سوچا تھا سکوں کی نیند سو لوں گا لحد میں پر
وہ پیچھے آ گئے مجھ کو ستانے میرے مرقد میں

کہاں جاؤں رہائی راس آئی ہی نہیں مجھ کو
چھٹا زنداں سے تو تھا سامنے صیّاد مرصد میں

کلی کو چوسنے کی جستجو تھی کب سے بھنورے کو
ہوا ہے آج بہرہ مند وہ دیرینہ مقصد میں

تمہاری آرزوؤں سے پرے ہیں اور بھی عالم
نہ خود کو بند کر لینا تمنّاؤں کے گنبد میں

ہے کوئی جو سکھا دے عشق کے اسباق سالک کو
کہ بیچارہ ابھی الجھا ہوا ہے حرفِ ابجد میں

○

پاس اپنے جب نہیں پاؤ گے تم
تو کسے یہ ناز دکھلاؤ گے تم

لوٹ کر کب کون آیا جو گیا
پھر بھی دل کو آس ہے آؤ گے تم

مت کریدو زخم دل کے تم مرے
بس یہی ہے خوف جل جاؤ گے تم

یاد ہو گر تو کہا تھا یہ تمہیں
جب گیا تو اشک برساؤ گے تم

پیار کو ترسو گے جب خلوت میں تم
کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤ گے تم

کون دیکھے گا ادائے خاص جب
دیکھ کر آئینہ شرماؤ گے تم

اب نہیں آئے گا سالکؔ پھر یہاں
کچھ کہو کب ہوش میں آؤ گے تم

○

نگاہِ عنایت سے انجان ہوں میں
جفائے محبت کی پہچان ہوں میں

سنورتے ہیں آئینہ کے سامنے وہ
نظارہ پرستی پہ حیران ہوں میں

ودیعت ہوئی رغبتِ حسن مجھ کو
ازل سے گرفتارِ مژگان ہوں میں

جفاؤں کو برداشت کرتا ہوں کیوں میں
نہ پوچھو یہ مجھ سے کہ نادان ہوں میں

جو دیکھو مجھے تو میں لگتا ہوں آباد
مگر روح دیکھو تو سنسان ہوں میں

میں مجنوں سے کم تو نہیں ہوں عزیزو
ہے گھر دشت تو چاک داماں ہوں میں

نہ تیغِ جفا کو ابھی خول میں رکھ
کہ دنیا میں کچھ دن کا مہمان ہوں میں

بٹھا دو کسی میکدے میں مجھے تم
نہ چھیڑو مجھے پھر، پریشان ہوں میں

ہے فسق و فجور اب مرا مشغلہ بس
مگر خود کو کہتا مسلمان ہوں میں

○

نیند آ گئی ہمیں اُن کے انتظار میں
اور کتنے روز ہیں آمدِ بہار میں

پا برہنہ ہیں تو کیا چاک ہے قبا تو کیا
جانتا نہیں کوئی اجنبی دیار میں

فرصتِ زمانہ ہو خلوتِ یگانہ ہو
رات دن مگن رہیں بس خیالِ یار میں

ختم ہوگیا یہاں اب ہمارا راستہ
ہاتھ چھوڑ کر کہا بیچ منجدھار میں

چھوڑ آئے ہو کہاں آج یار کو بھلا
پھول پوچھتے رہے آج مرغزار میں

تیرا غم نہیں اگر ہے غمِ معاش تو
زندگی گزر گئی ایک اضطرار میں

دے کے دل میں نے کہا آپ کا ہے دل کہاں
ہے نہیں ادھار یاں نقد کاروبار میں

○

رستہ مجھے بتائے ملکِ عدم کا کوئی
دیدار پھر کرا دے بچھڑے صنم کا کوئی

عیسیٰ نفس کہیں تو ہو گا ضرور یارو
درماں کرے مرے بھی درد و الم کا کوئی

کرتے ہیں پُرسشِ غم ملتے ہیں دوست جب بھی
جانا سبب نہ لیکن اِس چشمِ نم کا کوئی

لوگو متاعِ غم کی محفل سجی ہے پھر سے
آئے جسے ہے سننا افسانہ غم کا کوئی

راہیں وہی ہیں اب بھی جن پر چلے تھے ہم تم
ملتا نہیں نشاں پر نقشِ قدم کا کوئی

ہو عام نام جس کا وعدہ شکن جہاں میں
کیوں پھر کرے بھروسہ قول و قسم کا کوئی

تیغِ جفا کو کر کے زیبِ نیام پوچھیں
کیوں ہے نہیں طلبگار دستِ ستم کا کوئی

تصویر میں تمہاری واں بیٹھ کر بناؤں
مل جائے گُنج گر اک باغِ ارم کا کوئی

دیکھا جو ظرف اُن کا نکلی دعا یہ دل سے
ہووے کبھی نہ محتاج اہلِ کرم کا کوئی

ساقی پلاتا جا کہ باقی ہے شبِ فرقت ابھی
باہر ہے حدِ ضبط سے اس درد کی شدّت ابھی

اپنی سنا کر چل دیے اوروں کا دکھ بھی بانٹیے
عجلت ہے کیا جانے میں کچھ تو بیٹھیے حضرت ابھی

سامانِ دلجوئی تو کرتے ہیں مرے احباب پر
یادوں میں کھوئے رہنے کی چھوٹی نہیں عادت ابھی

تقلیل سی ہے آج کچھ جوشِ قدح میں ساقیا
حدّت نہیں نظروں میں تو آئی نہیں لذّت ابھی

تھیں آخری سانسیں بلایا ان کو تو کہنے لگے
بیوقت کیوں یوں چھیڑتے ہو ہے نہیں فرصت ابھی

دیکھا نہیں کب سے اسے ہوگا کہاں کس حال میں
گو ہو چلا ہے اک زمانہ کم نہیں وحشت ابھی

محدود ہے فی الحال طنّازی تلک ہی گفتگو
سالکؔ کو اُن سے لڑنے کی آئی نہیں نوبت ابھی

روتا ہے لہو یہ دل پیاروں کے بچھڑنے پر
آتی ہے حیا لیکن آنکھوں کے چھلکنے پر

بے تاب پتنگوں کی دل جوئی کرے کوئی
پھرتے ہیں پریشاں سب دیپک کے پگھلنے پر

سمجھے تھے بھلا دیں گے امکان نہ تھا جس کا
یاد آئی شبِ فرقت بسمل کے تڑپنے پر

شہروں میں نہ پایا جب تو دشت کو چل نکلا
کہتے ہیں مجھے مجنوں صحرا میں بھٹکنے پر

اک درد کی چنگاری ہر وقت سلگتی ہے
راحت یہ کہاں لیکن شعلوں کے بھڑکنے پر

ہے رنج وہی مجھ کو ہوتا ہے خزاں میں جو
اک مرغِ چمن کو جب غنچوں کے بکھرنے پر

کیا ان کو بتاؤں میں جیتا ہوں بنا اُن کے
ہوتے ہیں جو نکتہ چیں اس دل کے دھڑکنے پر

○

روکتا نہیں تجھ کو تو ہے پیکرِ عصیاں
پر گناہ کر اُس جا دیکھتا نہ ہو یزداں

تیری گھات میں بیٹھے صد ہزار دشمن ہیں
زیست تیری سرزوری دیکھ کر ہوا حیراں

قیس جو ہوا مجنوں تو فراقِ لیلیٰ سے
وصل کے سوا کیا ہے دردِ عشق کا درماں

تم اگر ملے ہوتے زندگی نکھر جاتی
صبح شام رہتا ہوں اس خیال میں غلطاں

موسمِ بہار آیا وا ہوئے دہانِ گل
خواہشِ نمک میں پھر زخمِ تن ہوئے خنداں

جاں کنی کا عالم ہے شمع بھی ہے بجھنے کو
ہم ہی ایک دوجے کی ناتوانی کے پرساں

روح و جسم کا رشتہ بیش تو نہیں سالکؔ
مثلِ بوندِ شبنم اک نوکِ خار پر لرزاں

○

رہتی ہے ہر آن یہ آنکھ اشکبار ہی
کیا گئے کہ لے گئے تم مرا قرار ہی

مے پیوں تو کیوں کہ جب ہے بہت کسی کو بھی
مست کرنے کے لیے چشمِ پُرخمار ہی

بانگ دی جرس نے تو گاہِ کوچ کو گیا
جا چکا تھا قافلہ تھا وہاں غبار ہی

اُڑ رہی ہے اک خبر آمدِ بہار کی
دے اگر کوئی مجھے سانس اک ادھار ہی

زندگی گزر گئی اُن کے انتظار میں
وعدے پر کیا تو کیوں تم نے اعتبار ہی

آس کے بنا کوئی راہ دیکھتا نہیں
اس لیے عزیز ہے مجھ کو انتظار ہی

آبلوں کو پھر ہوا پھوٹنے کا شوق پر
گھر کی راہ میں نہیں کوئی خارزار ہی

پیش کر رہا ہوں آج ایک تحفہ آپ کو
دل مرا گراں بہا گو ہے داغدار ہی

○

رکھو تو سامنے یہ کسی باشعور کے
تحریر ایک اور بھی ہے بین السطور کے

لازم اگر حجاب تھا ایمان کے لیے
محتاج کیوں کلیم ہوئے برقِ طور کے

پوچھا دیارِ غیر کا جب دوستوں نے تو
میں نے کہا کہ ڈھول سہانے ہیں دور کے

آنسو بہے لہو کے ہوئے آشکار تب
دیکھے نہ تھے جو زخم دلِ ناصبور کے

دیدار کو گیا تو وہ کہنے لگے مجھے
کاہے کو دیکھتا ہے مجھے گھور گھور کے

اک درشنِ جمالِ دل آرام کے لیے
پھیرے لگا رہا ہے وہ کنجِ حضور کے

افشا کیا جو عشق تو کہنے لگے مجھے
ہے عشق کیا سوائے دماغی فتور کے

آفت تھی کیا وہ جس نے اُجاڑا دیار یہ
خالی پڑے ہیں سب ہی نشیمن طیور کے

کہنے پہ تیرے چھوڑ دی سالکؔ شرابِ ناب
لا اب کہیں سے جام شرابِ طہور کے

○

رکھ رہا ہے اُس سے پنہاں اے اچت سرِّ نہاں
عالمِ کل میں ہوا جو واقفِ سرّ و عیاں

زندگی کی سختیوں سے کب تلک لڑتا رہوں
اک چراغِ رہگزر ہوں آندھیوں کے درمیاں

سوختن ہے آتشِ افروختہ سے کھیلنا
جاں ستاں ثابت ہوئی بیماریٔ عشقِ بتاں

گردشِ گردوں کے ظلم و جور کو دیکھا کریں
نام تھے کیا کیا کہ جن کا مٹ گیا نام و نشاں

اب نکل جاتے ہیں وہ آنچل بچا کر پاس سے
زندگانی میں بھی مجھ سے جو رہے دامن کشاں

کلفتِ افسردگی سی چھا گئی گلزار میں
دم بخود بلبل ہوا جب میں ہوا محوِ فغاں

عمر بھر کی جمع پونجی کیا بتاؤں دوستو
اک نگاہِ لطف ٹھیری حاصلِ عمرِ رواں

پاسکے گا تُو نہیں اُس کی حقیقت کو کبھی
فکر کو دوڑا جہاں تک ہے ترا حدِّ گماں

وہ نگاہِ مست دیکھی ہی نہیں تم نے تو پھر
جانچنا ممکن نہیں سحرِ نگاہِ مہرباں

جانتی تھی قدرِ یوسف اک زلیخا ہی فقط
کب رہی وقعت ہماری بیشِ جنسِ رائگاں

عشق رسوا ہو گیا اُن کی زبانی شہر میں
چاہیے تھا کچھ مگر پاسِ حجابِ عاشقاں

گوہرِ مقصود حاصل ہو گیا سالکؔ تجھے
فطرتِ رِندانہ کو جب مل گیا پیرِ مغاں

○

رہے یاد جب ہاتھ اُٹھے دعا کا
ہے مالک وہی بس جزا کا سزا کا

ہوئے آنکھ کے اک اشارے سے مقتول
جو کہیے تو کیا کہیے ناز و ادا کا

ہوا ہے جنوں اس کو آوارگی کا
دکھایا ہے دل جانے کس نے صبا کا

وفا اُس کو کیسے سکھاؤ گے یارو
نہ جس نے کبھی بھی سنا ہو وفا کا

سنا دے مجھے سازِ ققنس خدایا
کہیں سر پہ پڑ جائے سایہ ہما کا

اداسی بھی دل میں مرے کچھ سوا تھی
مگر تھا اثر بھی گدا کی صدا کا

کبھی رمزِ مژگاں سے گردن زنی ہے
کبھی حرکتِ لب سے فتویٰ قضا کا

کہیں دھوم ہے چشم و ابرو کی سالکؔ
کہیں تذکرہ ایک زلفِ رسا کا

○

سایہ بنا لو اپنا مجھے تم
بس ساتھ ہر دم رکھنا مجھے تم

غم زندگی کے سب بھول جاؤں
چاہو کبھی گر اتنا مجھے تم

کہسار گرتا سہتا اگر جو
دیتے ہو آزار جتنا مجھے تم

ظلم و ستم کی حد چاہیے ایک
تڑپاؤ گے اور کتنا مجھے تم

گزرا گلی سے میں کل اگر تو
چلمن اٹھا کر تکنا مجھے تم

اک آرزو ہے وقتِ ملاقات
تم سے کروں پیار کہنا مجھے تم

چھوڑو یہ رونا جب مر گیا میں
تو پھر بہت یاد کرنا مجھے تم

تحریر ہوں میں نااستوار اک
دیدۂ تر سے پڑھنا مجھے تم

○

قوتِ گفتار دیکھی گر لبِ خاموش کی
کیوں کرے گا آزمائش صبرِ پردہ پوش کی

زندگی میں رہ گئی ہے بس یہی تو اک خوشی
آ رہی ہے اک صدا مجھ کو سرودِ دوش کی

دوستوں کی بےتوجہی کی شکایت کیوں کریں
کون رہتا ہے رفاقت میں اذیّت کوش کی

میں نہیں توبہ شکن جاتا ہوں لیکن میکدہ
دیکھنے کو نرگسِ مخمور اک مے نوش کی

کیا ہوا شوریدگانِ شہر کو تم ہی کہو
پوچھتے ہیں راہ مجنوں سے دیارِ ہوش کی

وسعتِ قلبی تری حیران کرتی ہے مجھے
ہستیاں کیا کیا ہوئیں زینت تری آغوش کی

لہر طوفاں کی لبِ ساحل سے جب ٹکرا گئی
کیا ہوا تیزی کو سالکؔ موجِ دریا جوش کی

○

سوزِ پنہاں نے دکھائے زندگی کو راستے
رینگتے گزرے کہیں سے تو کہیں سے ہانپتے

جشنِ آزادی منایا جا رہا ہے ہر طرف
گر نہ ہوتے بیڑیوں میں پا تو ہم بھی ناچتے

آزمایا ہی نہیں ہم کو وگرنہ دیکھتا
رمز و ایما پر ترے ہم جان اپنی وارتے

زندگی اک اور ہمیں ملتی اگر مرنے کے بعد
پوچھتا ہم سے خدا تو بھی تمہی کو چاہتے

خواب میں آنے کا وعدہ ہی کیا ہوتا اگر
منتظر رہتے نہ پھر ہم زندگی بھر جاگتے

ہم سے کیوں ہیں یہ تجاہل عارفانہ آپ کے
ہم توجہ کے سوا اور تو نہیں کچھ مانگتے

برق نے غارت گری کی کل قفس میں جو مرے
پاؤں تھے زنجیر بستہ تو کہاں ہم بھاگتے

دوسروں کو تم برا کہتے ہو سب کے سامنے
واعظو اپنے گریباں میں بھی گر تم جھانکتے

کس قدر دی ہے اذیت عشق نے سالکؔ تمہیں
زندگی آسان ہوتی جو نہ دل کی مانتے

○

تاثیرِ شمع کو کوئی دیوانہ چاہیے
ناآشنائے محض کا نذرانہ چاہیے

گر چھاننی ہے خاک تمہیں دشتِ عشق کی
تو سن رکھو کہ جرأتِ رندانہ چاہیے

دل میں سجا رکھے ہیں صنم اس قدر کہ اب
ان کے لیے تو وسعتِ بتخانہ چاہیے

تشنہ لبی کے مٹنے کو جلوہ کشی تری
بادہ کشانِ عشق کو روزانہ چاہیے

ساقی نہ روک ہاتھ پلانے سے تُو مجھے
میخوار کو نہیں خطِ پیمانہ چاہیے

رہنے دیا کہیں کا نہیں جوشِ عشق نے
رنگینیٔ بہار کو دیوانہ چاہیے

باندھے رکھوں ترا ہی تصوّر میں روز و شب
اس آتشِ خیال کو ویرانہ چاہیے

تنہا ہی شمع بزم گھلی جا رہی ہے آج
کوئی تو سوزِ عشق سے بیگانہ چاہیے

رہنا نہیں ہے زیرِ نگیں اب کبھی مجھے
گر ہو سکے مزاجِ فقیرانہ چاہیے

○

شمع جلتی رہی آندھیوں میں
والہ ہنستا رہا آنسوؤں میں

ہوں وہ دیوانہ میں قربتوں کو
ڈھونڈتا جو رہا فاصلوں میں

ہم کو تنہا سفر کی ہے عادت
ہم ملیں گے نہیں قافلوں میں

ہے مروّت نہیں نام کو بھی
شہرِ محبوب کے باسیوں میں

کوئی آیا اٹھانے نہ ہم کو
ہم گرے جب کبھی کھائیوں میں

دوستوں نے کہا مار ڈالو
گر گھرے ہم کبھی دشمنوں میں

ہوں گنہگارِ تقصیرِ الفت
بس جکڑ دو مجھے بیڑیوں میں

○

شبِ تنہائی میں جو سینچتا تھا دردِ پنہاں کو
سجاتا ہے بدن سے اپنے اب گورِ غریباں کو

رہا دشتِ جنوں کا ہی مسافر میں عدم میں بھی
اٹھا جو روزِ محشر تو پھٹا پایا گریباں کو

سبب راحت کا ہے ناآگہی اُس نارمیدہ کی
ابھی امیّد استخلاص ہے جس صیدِ ناداں کو

سبب جانا مرے یاروں نے اشکوں کے بہانے کا
کیا شاداب ابرِ دیدہ نے جب کشتِ ویراں کو

تماشا گاہِ حیرت ہو گیا آئینہ خانہ کل
وہ صورت دیکھتے تھے اپنی اور ہم چشمِ حیراں کو

نہیں بابِ اجابت گر کھلا تو ہو گلہ کیوں کر
رسا ہونا سکھایا ہی نہیں جب آہِ سوزاں کو

نہ پاسِ وضع ہوتا تو نہ رہتے مضطرب یوں ہم
سکوں پایا کیا جب چاک ہم نے پھر گریباں کو

جنوں انگیز نظریں کر رہی ہیں سب کو دیوانہ
کوئی تو ہو کہ سمجھائے نگاہِ فتنہ ساماں کو

پھٹا جاتا ہے دل اُس وقت رشکِ لالہ کاری سے
جگر میں کرتے ہیں پیوست جب وہ تیرِ مژگاں کو

گلِ رسوائی پھر نخلِ تمنّا پر کھلا ہے اک
سنو سالکؔ چلا ہے پھر طوافِ کوئے جاناں کو

شام آ جانا مل کے رو لیں گے
دامنِ تشنہ کو بھگو لیں گے

پھر سے زخمِ کہن ہرے ہوں گے
پوٹلی جب دکھوں کی کھولیں گے

زخمِ دل کیوں کسی کو دکھلائیں
درد کو دل میں ہی سمو لیں گے

کیا ہوا گر دریدہ ہے دامن
اشک مژگاں میں ہم پرو لیں گے

آبلہ پائی داد مانگے تو
راہِ مسکن میں خار بو لیں گے

اپنا دامن اگر نچوڑیں ہم
تو گناہوں سے ہاتھ دھو لیں گے

گر قلم چھین بھی لیا تو ہم
خون میں انگلیاں ڈبو لیں گے

○

صحرا ہوا گلزار خونا بہ فشانی سے مری
دریا ہوا شرمندہ سیلانِ روانی سے مری

اور تو نہیں ہے یاد کچھ گزری جوانی کا مگر
خوشبوئے رنگِ عشق آتی ہے جوانی سے مری

کہتے تھے ہوگا کیا اثر اب سوزِ پنہاں سے مگر
جلتا ہے گلشن آتشِ شوقِ نہانی سے مری

کرتے نہ اب افسوس وہ برباد ہو کر عشق میں
لیتے وہ عبرت کا سبق گر زندگانی سے مری

آخر نہ ہوں کیوں مضطرب وہ شہرتِ روداد پر
عقدہ کھلا اُن کی وفاؤں کا کہانی سے مری

کب کام دنیا کے رکے پہلے کسی کی موت سے
بدلے تو کیوں سنسار مرگِ ناگہانی سے مری

دل کو چھپا کر طاق میں رکھ دو کہیں یہ سوچ کر
شاید کبھی ہو دل کا بہلاوا نشانی سے مری

کیسے مجھے جانے گی خلقت منع ہو گر بولنا
پہچانتے ہیں لوگ آشفتہ بیانی سے مری

صیدباز گر سنے صیدِ بستہ کی پکار
تو کرے ہی کیوں اسے یوں قفس میں بیقرار

دامنِ دریدہ کی وجہ پوچھتے ہو کیوں
جانتے نہیں کہ ہے راہِ زیست خارزار

اور ڈھونڈیے کہیں خانۂ خمار اب
یاں جگر میں خوں نہیں ٹوٹتا ہے واں خمار

کاروانِ زیست میں گر قرار آ گیا
حاصلِ سفر نہیں ہاں غبارِ رہ گزار

مانگتا نہیں ہوں میں عمرِ خضر اے خدا
ہو نصیب میں اگر عمر بھر کا انتظار

واں کمندِ زلف ہے تیرِ غمزہ ہے یہاں
پھر نہ ہو کوئی تو کیوں دامِ حسن کا شکار

آہِ نیم شب سے ہی کھلتا ہے درِ دعا
کر دے گی چمن کو راکھ ایک آہ شعلہ بار

حال کیا رقم کریں داستاں ہے خوں چکاں
دل شکستہ ہے اگر تو یہ انگلیاں فگار

○

سب غریب الوطن اپنے گھر جائیں گے
پر نہ ہو جن کا گھر وہ کدھر جائیں گے

وقت کا کیا ہے یہ تو گزر جائے گا
اور نہ گزرا اگر ہم گزر جائیں گے

وہ بنے گر زلیخہ تو وعدہ رہا
چاہِ یوسف میں فوراً اتر جائیں گے

جب پڑے گی کرم کی نظر ہم پہ تو
تب تلک خاک میں ہی بکھر جائیں گے

زندگی ہو گئی ختم اِس آس میں
ایک اُمید تھی وہ سدھر جائیں گے

ظلم کی کر سکو گے نہ تردید تم
حشر میں ہم لیے چشمِ تر جائیں گے

کھول دے در قفس کا او صیّاد اب
کس قدر دور بے بال و پر جائیں گے

○

سنو سبھی نہیں کہے کسی کو بھی برا کوئی
یہ دور دے رہا ہے اک صدا کہیں گدا کوئی

رہی نہ خواہشِ حیات نے ہی زیست کا مزا
ہے التجا نہ زندگی کی دے مجھے دعا کوئی

نہیں سنیں گے جانتا ہوں کیا ہے حرج ہی مگر
خطائے فعل کا بتائے اُن کو ناصحا کوئی

ستمگری سے اہلِ بزم چشم پوش ہی رہے
کرے نظر ملا کے بات اک ہو سورما کوئی

نشانِ یادِ یار چھوڑ آئے ہم گئے جہاں
مٹا سکی نہ بحرِ موج خیز نقشِ پا کوئی

سنا دی اہلِ قریہ کو بھی داستانِ ظلم آج
ہوا کرے اگر ہوا ہے اِس پہ سیخ پا کوئی

صدائے احتجاج دیکھ گردِ راہِ یار کی
مجھے نہیں ہے اذن پر اٹھانے کی صدا کوئی

خدا کرے نہ ظلم و جور پھر کبھی زمیں پہ ہو
بساطِ ارض سے مٹا دے دشتِ کربلا کوئی

○

صبحیں ہیں بے قرار تو شامیں اداس ہیں
پوچھے تو ہم سے کوئی کہ کیوں غرقِ یاس ہیں

آئیں گے وہ کبھی نہ یہ معلوم ہے مجھے
لگتا ہے کیوں مگر کہ کہیں آس پاس ہیں

ہم کو گلہ نہیں ہے کسی بے وفائی کا
ہو اُن سے آس کیوں جو وفا ناشناس ہیں

اوڑھے رہے لبادہ شرافت کا عمر بھر
اب روزِ حشر دیکھیے وہ بے لباس ہیں

ہم کو کیا تو یاد برا ہی سہی مگر
آیا زباں پہ نام سراپا سپاس ہیں

آئے ہوں گے ضرور وہ کل رات خواب میں
دیکھو کہ آج صبح سے ہی بے حواس ہیں

اُن کی ہر اک ادا ہے تمنّائے دل مگر
سمجھائے تو اسے کوئی یہ سب قیاس ہیں

مدّت کے بعد بھیج رہے ہیں سلام وہ
جا کر کہو کہ ہم بھی زمانہ شناس ہیں

○

تجھے غرور بود پر اگرچہ وہ حباب ہے
جسے سمجھ رہا ہے زیست سن کہ وہ سراب ہے

سنو نہیں ہے سہل عاشقی میں فرق کھینچنا
سکوں ہے یاد میں اگر اسی میں اضطراب ہے

جمالِ حسنِ یار پر نگاہ ڈال اے فلک
اگر نظر میں قوتِ نمودِ برقِ تاب ہے

اٹھی ہے موجِ حسرتِ وصالِ یار دل میں پھر
کروں تو کیا نصیب کا کہ وہ تو محوِ خواب ہے

خیال آ گیا ترا تو زندگی مچل گئی
لگا یہ کہنگی میں بھی کہ عالمِ شباب ہے

ہجومِ غم کو روکنا کسی کے بس میں تو نہیں
اگر جگر ہے سوختہ تو دل مرا کباب ہے

یہ زندگی گزارنے کو اک سہارا چاہیے
جو تُو نہیں تو یاد تیری میری ہمرکاب ہے

نہ تو نگاہِ ناز تھی نہ حسنِ نوبہار تھا
فریفتہ کیا تھا جس نے آنکھ کا حجاب ہے

اڑا رہا ہے خاکِ دشت عالمِ جنوں میں جو
کیا تھا عشق جس نے یہ وہ خانماں خراب ہے

امنڈ رہا ہے شہر آج کس کے دیکھنے کو پھر
گمان ہے مرا کہ آج پھر وہ بے نقاب ہے

کوئی جو پوچھتا ہو وجہ چشمِ اشکِ بار تو
کہو کہ سالکؔ خراب موردِ عتاب ہے

○

تھا جو مقصدِ حیات تم نے وہ کما لیا
جب جبینِ ناز پر سجدہ اک سجا لیا

آ گیا سکون سا اس دلِ فگار کو
اک خیالِ یار سے جب اسے لبھا لیا

اوڑھنے لگے نقاب سامنے وہ بیٹھ کر
یوں لگا کہ چاند کو ابر نے چھپا لیا

ذہن سے اتر گئے سب سبق وفا کے پھر
تم ہی اب کرو جتن ہم نے سر کھپا لیا

دل بھی کیا عجیب ہے مضطرب ہوا یہ جب
ہاتھ اُس کٹھور نے ظلم سے اٹھا لیا

دل دیا غضب کیا کیا یہ ہم نے کر دیا
اب بھگت رہے ہیں ہم روگ جو لگا لیا

بے قرار تھے بہت جانے کیوں وہ صبح سے
چین آ گیا مگر جب مجھے ستا لیا

جو نہ مل سکا کبھی چشمِ عقل کو فریس
چشمِ عشق نے اسے اک نظر میں پا لیا

○

تنہا مجھے نہ تُو نے رہنے دیا غمِ دل
کلفت میں تُو مخل ہے تسکین میں بھی شامل

دیکھیں تمھیں تو کیسے باتیں کریں تو کیسے
پردہ وہ آہنی اک ہے درمیاں میں حائل

جب شہر میں نہ پایا تو دشت کو چلے ہم
بے چین دل ہوا ہے آوارگی پہ مائل

اک تیر تھا چلایا آنکھوں کو میچ کر جو
کتنے دلوں کو پیارے نکلا وہ کر کے گھائل

دل مانتا نہیں ہے جانا ترا جہاں سے
تُو ہی بتا کہ کیسے اِس کو کروں میں قائل

جو محفلیں جمیں گی سُونی ہوا کریں گی
اُس بزم کا مزا کیا جب ہو نہ حسنِ محفل

اب وہ یہاں نہیں ہے معلوم ہے اُسے پر
دیدار کو کھڑا ہے بیتاب ایک سائل

اِس درد کا مداوا کچھ بھی نہیں ہے سالکؔ
کرتا ہے جو دوا بھی بنتی ہے زہرِ قاتل

چار شعر

تابِ نظارۂ خورشید نہیں گر تم کو
خالقِ مہر کا کیسے کرو گے جلوہ تم

آج نکلے ہو جو بازار میں یوں بے پردہ
آج پھر شہر میں کروا دو گے اک بلوہ تم

زندگی میری سہانی ہو بھی سکتی تھی گر
چھوڑ دیتے جو تغافل کا کبھی شیوہ تم

اب بتاتے بھی نہیں وجہ پریشانی تم
بات تو کچھ بھی نہیں ہے کہ کرو شکوہ تم

○

تمہیں ستائے گا شب بھر کسی کا کاکلِ برہم
یہ شب طویل ہوگی اے مسافرانِ شبِ غم

ملاحظہ ہو جفا اور ہمدمی کا یہ جذبہ
ہے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں مرہم

سنو یہ میری نصیحت رہِ طلب نہیں آساں
ہو چشم اشک فشاں ہی چھٹے نہ رسمِ تبسّم

سنیں گے لوگ فسانے ہمارے عشق و وفا کے
ہوا میں عشق سراپا ہوئے وہ حسنِ مجسم

نہ تابِ تابشِ خور یاں نہ ضبطِ موجِ ہوا یاں
فنا ہے ایک ہی جنبش سے بختِ قطرۂ شبنم

چھپے نہ مجھ سے غمِ عشق باوجود جتن کے
کروں تو کیا میں ہے دل کا غماز دیدۂ پُرنم

سنو ذرا کہ پپیہا سنا رہا ہے فسانہ
سنا ہے آپ کی ہی نقل ہے یہ طرزِ تکلم

○

تم مہک ہو سانسوں کی میرے دل کی دھڑکن ہو
روح ہو مری جاں ہو سب ہی کچھ ہو تن من ہو

تھا تلاش میں کب سے آج مل گئی ہو تم
جو گزر گیا تھا کل تم وہی تو بچپن ہو

ہو شبِ سیہ کا نور تم دلِ حزیں کا چین
چاندنی ہو آنگن کی میرے گھر کا گلشن ہو

دوست بھی عدو بھی تم زیست بھی اجل بھی تم
تم ہو دشمنِ ایمان میری جاں کی دشمن ہو

دھوپ کی تپش میں تم اِک درختِ سایہ دار
گرمیوں کے موسم میں تم سحابِ ساون ہو

لطف زیست کا تم سے حسن تم ہی ہستی کا
اک چراغِ روشن ہو آب و تابِ جیون ہو

خوبصورتی کا اب کیا کہوں تمہاری میں
تم نشستِ زہرہ کے سامنے کا درپن ہو

تم ہی آتشِ گل ہو تم ہی آگ سینے کی
آگ سے نکل کر تم جسم ہو کہ کندن ہو

روز و شب جو پھرتا تھا بے حجاب آوارہ
راحتِ پریشاں ہو بے وطن کا مسکن ہو

ہے نیوشِ نالہ گوش درد آشنا ہے چشم
پونچھتا ہوں اشکوں کو جس سے میرا دامن ہو

آمدِ بہاراں پر عندلیب کے نالے
گونجتے ہیں بستاں میں جس لیے وہ دلہن ہو

پھول پھر لگے کھلنے تتلیوں نے پر کھولے
رنگ ہو بہاروں کا تم ہی اس کا جوبن ہو

○

آپ جو منہ جہاں سے موڑ گئے
بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گئے

تھے جو طوفاں شکن کبھی وہ آج
موجِ طوفاں اِدھر کو موڑ گئے

آج بھی اِس قدر بہے آنسو
کہ سمندر کنارے توڑ گئے

کی جو بوچھاڑ تیرِ مژگاں کی
تو جگر کا لہو نچوڑ گئے

عشق کی سختیوں کو سہہ نہ سکے
وہ بھی تھے جو سروں کو پھوڑ گئے

رنج سے مخلصی نہیں کہ وہ یاں
درد سے دل کا ناطہ جوڑ گئے

○

ٹکٹکی باندھ تکا کرتے تھے
اُس پہ ہم جان فدا کرتے تھے

پھرتے ہیں چاک گریباں لے کر
اُن کی خاطر جو سجا کرتے تھے

دن گزرتے نہیں اب جیون کے
جو تمنّا سے جیا کرتے تھے

اب ہیں پابندِ نظر وہ مے کش
جو نگاہوں سے پیا کرتے تھے

ہم کو تو مار دیا اُس نے ہی
ہم کبھی جس پہ مرا کرتے تھے

دن کسی طور گزر جاتا تھا
رات کو زخم سیا کرتے تھے

بھول جانا نہ کبھی سالکؔ کو
بس یہی اُن کو کہا کرتے تھے

○

تھی مجھے خواہشِ شفا نہ کبھی
کام آئی مرے دوا نہ کبھی

واسطہ ہے خدا کا ، دینا تم
جینے کی مجھ کو بددعا نہ کبھی

رہ گئی بات دل کی دل میں ہی
کر سکے عرض مدعا نہ کبھی

آتشِ عشق کو دبایا تو
پر شرر عشق کا بجھا نہ کبھی

جب نکالے گئے گلی سے ہم
پھر گئے کوئے دلربا نہ کبھی

ہم چلے ساتھ راہبر کے تو
پر کی تقلیدِ نقش پا نہ کبھی

ظلم سہتے رہے اکیلے ہم
آپ سے تو کی التجا نہ کبھی

زندگی سے گلہ کریں تو کیوں
زندگی تو تھی دیرپا نہ کبھی

دوستی گر کرو تو غم سے جو
تم سے ہو عمر بھر جدا نہ کبھی

○

تھامے رکھنا غمِ فسوں کو
بڑھنے دو سوزشِ دروں کو

کرنا ہے فتح گر جہاں تو
بھڑکا دو آتشِ جنوں کو

دے دیں سب نعمتیں بشر کو
دیکھو تو چرخِ واژگوں کو

افزوں ہوتا ہے حسن اور بھی
شرمانے دو نگہ نگوں کو

نے انگڑائی لیا کرو یوں
ہوتا ہے کچھ دلِ زبوں کو

دنیا میں کون ہے کہے جو
میں سمجھا عشق کے فسوں کو

کیونکر طوفاں سہارتا وہ
رونا کیا بامِ بے ستوں کو

○

وضع داری کا اُٹھا مرنے پہ پردہ میرا
اب یہاں کون رہا جو کرے نوحہ میرا

مثلِ خورشید لبِ بام وہ چڑھتا ہے جب
تو سمٹتا ہے مرے پاؤں میں سایہ میرا

حال افشا نہ کیا دل کا اسے جس ڈر سے
ہے کھڑا روک کے وہ آج بھی رستہ میرا

دل پہ ڈالیں تو ذرا ایک نگاہِ باطن
نام دیکھیں گے وہ اپنے جی پہ کندہ میرا

شان و شوکت کا جو ادراک ہو جائے مجھ کو
ہو ہزاروں سے سوا ایک ہی سجدہ میرا

واردِ شہر ہوا ہے کہیں سے اک مجنوں
آپ کے شہر میں ہر سمت ہے شہرہ میرا

زندگی میں تو خبر لی نہ کبھی جس نے وہ
گھر پہ آئے ہیں مرے دینے کو پُرسہ میرا

دیکھنا ہو جو جنوں تم نے تو آ کر دیکھو
چاک داماں ہے تو جسم دریدہ میرا

چند یادیں ہی مرے پاس پڑی ہیں اب تو
کیا کہوں اب کہ یہی تو ہے اثاثہ میرا

راہ میں آج رکے تیرے لیے وہ سالکؔ
جب یہ دیکھا کہ گزرتا ہے جنازہ میرا

اٹھتا ہے شور رنگتِ گردوں بدلنے پر
حیرانگی مگر ہوگی اُن کے سدھرنے پر

روئیدگی تو دیکھ کہ ہے موسمِ بہار
تبدیلِ رنگ پاتِ خزاں کے بکھرنے پر

ہوتا ہے رنج کیوں تجھے ذوبانِ شمع پر
دار و مدارِ بزم ہے اس کے پگھلنے پر

ایسے لگا مجھے کہ قیامت ہی آ گئی
روح و بدن جدا ہوئے تجھ سے بچھڑنے پر

محفل میں تو بلاتے نہیں دیدخواہ کو
کرتے ہیں طعن کوچۂ جاں میں بھٹکنے پر

آتشکدے کی آگ بجھا دو کہ جل گیا
بیمارِ عشق آتشِ الفت بھڑکنے پر

ہوتا جو اختیار میں بیدادگر کے تو
بندش لگا دی جاتی دلوں کے دھڑکنے پر

پیتا رہا غموں کے ڈبونے کے واسطے
نکلا مغاں سے ساغرِ غم کے چھلکنے پر

○

اسے بے ضرر جان کر اک خطا کی
ہیں کھائے ہوئے ضرب چشمِ حیا کی

جو پوچھا میں نے قائدہ دلبری کا
دکھا دی مجھے چال ناز و ادا کی

تمہیں شرم آئے گی تم کو اگر دیں
جو جھولی میں ڈالا ہے تم نے گدا کی

ہوئیں مدّتیں اس کو دیکھے ہوئے پر
ابھی تک ہے امید آوازِ پا کی

اٹھے جب تو قاتل مگر کم نہیں ہے
جھکی بھی رہے گر نظر دلربا کی

سمجھ لو کہ آئی ہے اُس کی گلی سے
مدھر چال دیکھو جو بادِ صبا کی

جگر کا لہو ہے مرے وہ جسے تم
سمجھتے ہو سرخی ہے دستِ حنا کی

○

اُس کا مزاج برہم جو بانئ جفا ہے
کٹنے کو ہے کوئی سر پھر یار لب کشا ہے

چھپ چھپ کے جھانکتے ہو چلمن کی آڑ لے کر
جو بولتے نہیں تم وہ سب مجھے پتا ہے

پھر یاد آ رہی ہے اُن کی بچھڑ گئے جو
چھیڑو نہ آج مجھ کو دل کچھ بجھا بجھا ہے

کیا پوچھتے ہو اُن کی غمزہ طرازیوں کا
اِس دل کا امتحاں ہے جو بھی نئی ادا ہے

اک مہرِ خامشی ہے ہونٹوں پہ جو لگی ہے
قدموں کی آہٹوں کو دل گوش برصدا ہے

بے لطف ہو گئی ہے اب زندگی ہماری
لگتا ہے بس یہی اب دل زیست سے خفا ہے

کہتا ہے دردِ دل کو ناقابلِ مداوا
پوچھو اسے ذرا وہ کس مرض کی دوا ہے

عرصہ ہوا کہا تھا اک جوتشی نے مجھ کو
رنجِ جدائی تیری پیشانی پر لکھا ہے

کیوں بار بار مجھ سے وہ پوچھتے ہیں یارو
حالانکہ جانتے ہیں جو نفسِ مدّعا ہے

کنجِ قفس میں یارو رہنے دو آج مجھ کو
سینہ دریدہ میں پھر درد آج کچھ سِوا ہے

یادیں نہیں رلاتیں ایامِ رفتہ کی اب
تھا جو چراغِ خستہ اک طاق پر رکھا ہے

آغوشِ عشق میں ہی سالکؔ تری بقا ہے
غنچے کی مسکراہٹ اُس کے لیے فنا ہے

○

اُس رُخ کا تابناک ہونا
ہے خلقت کا ہلاک ہونا

عاشق کے پیرہن کی قسمت
اس کے دامن کا چاک ہونا

آساں ہوتا نہیں بدن سے
سانسوں کا انفکاک ہونا

قطرہ بنتا نہیں جو دریا
اس کی قسمت ہے خاک ہونا

نفسِ امّارہ مارنا ہی
ہے تر دامن کا پاک ہونا

عابد شرطِ قبولیت ہے
پوجا میں انہماک ہونا

اُس کی نظر سرور ہے آنکھ نہیں شراب ہے
دیکھ ذرا عذار وہ آدھ کھلا گلاب ہے

دھوم مچی ہے شہر میں آپ کی دلکشی کی پر
ذکر جہاں وفا کا ہو ساکھ وہاں خراب ہے

مجھ کو بتاؤ یہ کہ وہ ترکِ جفا کریں تو کیوں
اُن کو خیال ہے یہی اِس پہ جفا ثواب ہے

آس بہت سہی مگر دل میں رہے خیال یہ
عشق و وفا کے رہ گرو دشتِ وفا سراب ہے

چشمِ براہ ہے اگر تجھ کو ہوائے دید تو
ڈال اِدھر نگاہِ شوق حسن وہ بے نقاب ہے

کھول سکا نہ آنکھ میں ڈر سے کہ ٹوٹ جائے گا
ملنے جو کل وہ آئے تو مجھ کو لگا کہ خواب ہے

دوست وہی ہے باوفا جس کا لقب فراق ہے
روز کی طرح آج بھی میرا وہ ہمرکاب ہے

حصر ہو ایک دم پہ جب اس کا پھر اعتبار کیا
جانے خدا کہ کب پھٹے زیست نہیں حباب ہے

خواہشِ وصلِ یار کی قیدِ بدن ہوئی سزا
جی تو رہا ہوں میں مگر اس کے بنا عذاب ہے

اس کی دیکھے تو شیشہ گری کو کوئی
ذرے ذرے میں جلوہ گری کو کوئی

آنکھ کھولو کہ پھر کھٹکھٹائے ہے یاں
آج دہلیزِ پیغمبری کو کوئی

بت شکن بھی ہوئے اے خدا کچھ یہاں
پوجتا ہے بتِ آزری کو کوئی

مارتا ہوں میں دیوارِ گریہ پہ سر
تا مسیحا ہو چارہ گری کو کوئی

گو ہر اک شے میں ہے تیرا جلوہ نہ پر
سہہ سکا پھر بھی جلوہ گری کو کوئی

آئی فصلِ جنوں تو چلا دشت کو
واں نہ دیکھے گا جامہ دری کو کوئی

خوف رہتا ہے بس اک یہی اب مجھے
نے اچک لے نگہ دلبری کو کوئی

الفت کی عدالت میں منصف کی ہدایت پر
ٹھیرا مرا حق آخر مجنوں کی وراثت پر

یارانِ کہن نے پھر کل دل کی ضیافت کی
شب بھر کی نمک پاشی گلزارِ جراحت پر

خالی تھا خُمِ مے پر پیتے ہی رہے مے کش
حیران ہوا عالم ساقی کی کرامت پر

جو صبح کو توبہ کی تو شام کو پھر سے پی
کرتے وہ بھروسا کیوں رندوں کی ندامت پر

جب اُس نے کیا مجھ سے اقرارِ وفا کل تو
مطلق نہ یقیں آیا اپنی ہی سماعت پر

منصف نے دیا فتویٰ مابین گل و لب کے
ہونٹوں کو تفوق ہے پھولوں کی نزاکت پر

بلبل کو غلط فہمی پھولوں کے تبسم پر
گلہائے چمن خندہ ہیں اُس کی حماقت پر

جانا یہ پہنچ کر ہی منزل تو نہیں تھی یہ
کیوں وقت کیا ضائع برسوں کی مسافت پر

جو پیار کو کہتے ہیں طامع کی ہوس سالکؔ
ہوتا ہے مجھے تو شک ایسوں کی نجابت پر

○

ویراں ہوا یہ سنسار سارا
جب ساتھ چھوڑا اس نے ہمارا

تھا جسم و جاں کا رشتہ اگر تو
پھر ہو جدائی کیونکر گوارا

فرصت نہیں گر آنے کی تجھ کو
تو خواب میں ہی آجا خدارا

آئی نہ آواز کوئی کہیں سے
جاتے ہوئے جب ہم نے پکارا

جب ہاتھ پاؤں مارے بھنور میں
ہوتا گیا دور ساحل کنارا

خوش ہوں کہ میری آنکھوں کے آگے
رہتا ہے ہر دم خاکہ تمہارا

دن زندگی کا وہ آخری ہو
جس روز تم کو دل سے اتارا

یاد آ رہا ہے قصہ پرانا
ہر بات پر وہ مجھ کو ستانا

پوچھا کہ کیا ہے دھندا تو بولے
تم عاشقوں کی نیندیں اڑانا

سوچا یہی تھا تم کو بھلا دوں
کرتا مگر کیا دل ہی نہ مانا

شعلہ صفت ہیں گر آپ تو کیا
آتا ہے ہم کو دامن بچانا

فرقت زدوں کی اس زندگی میں
بس رہ گیا ہے صدمے اٹھانا

دل میں ہی اپنے دیں کچھ جگہ ہی
اپنا نہیں اور کوئی ٹھکانا

سالکؔ نہ بھولا تعریف سن کر
جوشِ حیا سے آنکھیں جھکانا

یہ الزام ہم پر بہت ہی برا ہے
نہیں بے وفا ہم کوئی افترا ہے

چلیں ہم کہیں اور اس شہر سے اب
وہی گر نہیں تو یہاں کیا دھرا ہے

جگر کھودنا کام ہے ناخنوں کا
تھا زخمِ کہن جو ابھی تک ہرا ہے

اِدھر سوختہ جاں اُدھر جاں ستاں وہ
کوئی تو بتائے یہ کیا ماجرا ہے

پروپائے طاؤس میں ہے تفاوت
تضادات سے عالمِ کل بھرا ہے

کھڑا راہِ ایفائے عہدِ وفا پر
گو وعدہ شکن پر وہی آسرا ہے

کہا میں نے پوچھا مجھے یار کا جب
جہاں میں نہ اس سا کوئی دوسرا ہے

○

وہی جو مرا منتہائے نظر ہے
سبھی کو پتا ہے وہی بے خبر ہے

کرو اپنی ہستی کو معدوم اُس میں
ابھی تیرے آگے عدم کا سفر ہے

وہ دُودِ چراغِ شبِ ہجر دیکھو
کہ یہ ہی پیامِ طلوعِ سحر ہے

تعارف کرایا یوں ہستی نے اپنا
مرا دوسرا نام رقصِ شرر ہے

کہیں نقشِ پا ہے کہیں یادِ رفتہ
دلِ سوختہ یہ وہی رہگزر ہے

کرو اور کچھ چھوڑ کر عشق اب تم
کرے کیوں کوئی وہ جو جی کا ضرر ہے

جو پوچھا وہ صحرا نشیں کون ہے تو
کہا جانے دو ایک آشفتہ سر ہے

جگر نے کہا دیکھ کر بے وفائی
ہوئی ایک لغزش تو بندہ بشر ہے

چلا تھا عدم سے ہے جانا ابد تک
رکا ہوں کہ دم لوں یہ لمبا سفر ہے

○

وہ زخمِ کہن پھر ہرا ہو گیا
مرا درد پھر سے سوا ہو گیا

نہ اور تنگ کر زندگی تُو مجھے
ترا قرض کب سے ادا ہو گیا

تفاخر نہیں زیب دیتا تمھیں
ہوا شاہ تو بھی گدا ہو گیا

بتاؤ ذرا کیا کہو گے وہاں
اگر میرا نالہ رسا ہو گیا

کسی کے لیے آگ گُل ہو گئی
کسی کا عصا اژدھا ہو گیا

نہ پوچھو مجھے عہد و پیماں کا تم
وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

جھکایا جو سر سامنے اُس کے تو
وہی میرا مشکل کشا ہو گیا

مری زندگی سے گئیں رونقیں
وہ اک دلربا جب جدا ہو گیا

کی سالکؔ نے خواہش جو اپنے لیے
تمھارے لیے ہی دعا ہو گیا

وہ راہنما چھوڑ دیا رہ میں تھکا جو
پیچھے اسی کے پھر ہو لیے آگے چلا جو

صیّاد کو یہ ڈر کہ کہیں اُڑ ہی نہ جائے
پنچھی کہ ہے پرسوختہ اک رشتہ بپا جو

پیوست کہیں پیڑ سے وہ شاخ ہوئی پھر
اک بار شجر سے ہو گئی فرع جدا جو

گر مجھ سے تعلق ہی نہیں آپ کا تو کیوں
بیتاب ہوئے آپ سنی میری صدا جو

آساں تو نہیں خون کا آنسو میں بدلنا
اک گوہرِ غلطاں ہو گیا اشک گرا جو

اک پل کی ہوئی دیر اگر شہرِ فتن میں
تو دام میں آیا وہ پرندہ نہ اڑا جو

رونا ہے عبث اس کے نہ ملنے پہ عزیزو
تھا ہی نہیں ہاتھوں کی لکیروں میں لکھا جو

بے وجہ دیے جا رہے ہو دوش اسے تم
وہ رات کے طوفاں میں چراغ ایک بجھا جو

تدبیر نہ کرنے کا تو الزام نہیں تھا
بڑھتا ہی گیا درد بھی ہم نے کی دوا جو

لغزش تھی مسافر کی نہ اُس راہنما کی
پہنچا نہیں منزل پہ وہ رستے میں رکا جو

فریاد و فغاں بھی شجرِ بید ہی نکلے
دربار میں نالے نہ ہوئے میرے رسا جو

○

وہ لباسِ شب پہن کر رات بھر روتا رہا
آرزوئے مرگ میں جیتا رہا مرتا رہا

دے دیا دل تو مگر رسوا ہوئے ہم دہر میں
پر ہمیں ایسے لگا سودا یہی سستا رہا

مے کشوں میں دم کہاں مدہوش ہو کر گر گئے
اک چراغِ بزم تھا جو صبح تک جلتا رہا

ساتھ لے کر غیر کو پھرتے ہوئے بازار میں
جب نظر آئے وہ کل تو دم مرا رکتا رہا

جو جفائیں سہہ سکے دشمن نہ وہ میں نے سہیں
یہ دلِ افگار کچھ بولے بنا کُڑھتا رہا

مصر کے بازار میں یوسف بکا تھا ایک بار
ہاٹِ جنسِ دل میں میں پر روز ہی بکتا رہا

تیرِ مژگاں کی ہوئی یلغار کچھ ایسی کہ دل
سہہ سکا حملے نہیں تو رات بھر دُکھتا رہا

بتکدہ جو کل گئے اپنے صنم کو پوجنے
داسیاں تھیں رقص میں ناقوس اک بجتا رہا

○

وہ آ رہا جہاں سے ہے نشے میں چُور آئے گا
نظر سے جس نے پی لیا اسے سرور آئے گا

ہے زندگی تو بیوفا کہ چھوڑ جائے گی کبھی
یہ وقت ہی ہے پرخلوص جو ضرور آئے گا

جفا کو بھی سمجھتے تھے جو پیار کی ہی اک ادا
وہ سوچتے ہیں اب یہی کہ کب شعور آئے گا

اٹھا لو ہاتھ ظلم سے وگرنہ تب کرو گے کیا
جو روزِ حشر سامنے وہ بے قصور آئے گا

میں چشمِ نرگسی کی خوبصورتی بتاؤں کیا
کہ یوں ہی بے سبب دماغ میں فتور آئے گا

نگاہِ کج اے زاہدو پڑے گی تم پہ جب مرے
لبوں کے پاس ساغرِ مئے طہور آئے گا

نگاہِ دلفریب ہو تو سالکؔ بے خانماں
ہو باادب نگاہ روبرو حضور آئے گا

○

زیست کا ساماں بھی میسّر نہیں
وقتِ معین بھی مقرر نہیں

دیکھ لیں آ کر مری صورت ذرا
کہتے ہیں جو درد کا پیکر نہیں

عمر گزر جاتی درِ یار پر
حیف کہ دہلیز کا پتھر نہیں

عالمِ محسوس میں پایا کہیں
جور و جفا میں کوئی بڑھ کر نہیں

دیکھ کہ منہ زور جوانی چڑھی
کیا ہے اگر فتنۂ محشر نہیں

ترک کیا بادہ کشی کو میں نے
گوش بدر خندۂ ساغر نہیں

دل کو سجایا ہے بتوں سے مگر
ضد ہے کہ بت خانۂ آزر نہیں

○

یہ سوچا ہے بناؤں جھونپڑی اب اک بیاباں میں
گزر جائے بقیہ عمر بس اک کنجِ ویراں میں

رہائی پائی مر کے زیست کی تنہائی سے میں نے
ہوئی ہے شمع کشتہ ہم نفس گورِ غریباں میں

کسی کی سسکیوں کی رات بھر آتی رہی آواز
ذرا دیکھو کوئی قیدی نیا آیا ہے زنداں میں

ابھی سوئے ہیں اک لمبے سفر کے بعد پردیسی
کرو جو بات تو آہستہ اس شہرِ خموشاں میں

درِ پردہ رہو بے شک مجھے کب فرق پڑتا ہے
یہ چہرہ دیکھ لیتا ہوں شبِ مہ ماہِ تاباں میں

رہی مجھ کو غلط فہمی ہی اپنی پارسائی کی
ہوا شرمندہ جھانکا آج جو اپنے گریباں میں

توقع تھی کہ یادیں اب نہیں مجھ کو ستائیں گی
مگر کمبخت آتا ہے ابھی بھی یاد نسیاں میں

گیا سالکؔ خدا کے سامنے جب روزِ محشر تو
سوائے کچھ گناہوں کے نہ تھا کچھ اور داماں میں

○

ذرا پوچھو تو اُس ناوَک فِگن سے
کیا اعراض کیوں اپنے وچن سے

نہیں منزل پہ پہنچا وہ مسافر
گرا تھا راستے میں جو تھکن سے

چلی آتی ہے دلبر کی گلی سے
ہو سندیسا کوئی پوچھو پون سے

پیامِ نیست ہے شبنم کو خورشید
مٹا میں بھی نظر کی اک کرن سے

نہ پایا چین انساں نے کبھی پھر
کہ وہ جس روز سے نکلا عدن سے

نہیں ہے راکھ بننا دور تو اب
ہوئی امید سینے کی جلن سے

ہوا برباد اک ہی جھونکے میں وہ
بنایا تھا نشیمن جو جتن سے

اجل سے تو نہیں لگتا مجھے ڈر
پہ گھبراتا ہوں مرقد کی گھٹن سے

کفن ہو گر مرا پوشاک اُس کی
مہک آتی رہے مجھ کو کفن سے

دیا ہے ساتھ میرا زندگی بھر
نہیں شکوہ مجھے رنج و محن سے

مجھے ملنے کو آئے تھے وہ کل رات
یہ جانچا میں نے بستر کی شکن سے

نہیں دیکھا حسیں ایسا کبھی بھی
جواب آیا جو پوچھا گل سمن سے

○

زیست کے کارزار میں کچھ وہ مقام آ گئے
سُست قدم جہاں رکے تیز خرام آ گئے

ہم نے سنا گزرتے ہیں گھر کے قریب سے وہ آج
ہم بھی خلافِ قائدہ گھر سرِ شام آ گئے

اب نہ پییں گے پھر کبھی کھائی تو تھی قسم مگر
غم کی تلافی کے لیے ہاتھ میں جام آ گئے

جن کو نہ کچھ سمجھتے تھے کھیل گئے وہ جان پر
دیکھ کہ نابکار بھی عشق میں کام آ گئے

شام چلی نہ تیغ وہ سر پہ مرے کہ جب تلک
بن کے تماش بین وہ نے لبِ بام آ گئے

پشت میں تیر دیکھ کر مڑ کے کیا تلاش جو
دوست سمجھتے تھے جنہیں اُن کے ہی نام آ گئے

راہ بہت طویل تھی پاؤں میں آبلے پڑے
پھر بھی رکے نہیں مگر گام بہ گام آ گئے

ڈر تھا مجھے شروع سے کُنجِ قفس میں قید کا
بال کشا ہوئے نہ تھے جو تہِ دام آ گئے

☆☆☆